ماہنامہ
المرشد

جولائی 2016ء
رمضان المبارک/شوال 1437ھ

اللہ رسول محمد

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ تَعَالٰى فِيْهَا...

(المعجم الکبیر للطبرانی معاً للبیہقی فی شعب الایمان،
حدیث:512،ج:1،ص:392)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کو اپنی زندگی کے صرف اس لمحے پر حسرت ہوگی جو اللہ کے ذکر کے بغیر گزرا۔

جتنا ذکر کرو گے، جتنا دل کو صیقل کرو گے، جتنا دل کو چمکاؤ گے اُتنی رحمتیں قبول کرنے کی استعداد پاؤ گے۔

(صفحہ نمبر 10)

شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوّف کیا ہے؟

اللہ کے حاضر ناظر ہونے کا یقین ہی انسان کی سوچ وفکر سے کردار تک کو کھرا کرتا ہے۔

جب تک قلب کی گہرائی میں اللہ کا نام نہیں اترتا تب تک اللہ سے ایسی آشنائی نصیب نہیں ہوتی کہ اللہ کی فرمانبرداری کی لذت ملے اور اللہ کی نافرمانی سے حیا آئے۔ اس کا واحد ذریعہ قرآنِ پاک میں اللہ کے ذکر سے دل کو آباد کرنا بتایا گیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے۔ لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَصَقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللہِ۔۔۔ ہر چیز کا زنگ دور کرنے کی پالش ہوتی ہے اور دلوں کا زنگ دور کرنے کی پالش ذکر اللہ ہے۔

ہم عملی دنیا میں عمل کرتے ہوئے آخرت سے غافل تب ہی ہوتے ہیں جب ہمارے سامنے عظمتِ الٰہی نہیں ہوتی۔ بندے کو اگر احساس ہو جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ بھلا کیسے گناہ کر سکتا ہے۔ اگر غلطی ہو جائے تو یہ احساس اسے ندامت عطا کرتا ہے۔ بندہ کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی کہ میں نے تیرے روبرو تیری نافرمانی کر دی۔

اس احساس کو پانے کا راستہ تصوّف ہے۔ تصوّف کے دو لوازم ہیں۔ شیخِ کامل اور سالکِ صادق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جولائی 2016ء، رمضان المبارک/شوال 1437ھ

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 11

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلامِ شیخ	سیماب اویسی	6
اقوالِ شیخ	انتخاب	7
رحمتِ الٰہی کا حصول۔ ذکرِ کثیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	13
اکرم التفاسیر سورۃ الاحزاب 31 تا 35	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	17
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	25
اعتکاف کا مقصد	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	32
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	38
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	41
زکوٰۃ کا بیان	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	43
مسائلِ جمیلہ	مقصود احمد، حیدر آباد، سندھ	48
طب	حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا	51
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf.	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

◯ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ...... اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (سورۃ البقرہ:73)

تمہارے لئے کس قدر غور کرنے کا مقام ہے۔ یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ اللہ قادر ہے تو خود ہی بغیر کسی گائے وغیرہ کے ذبح کے مُردہ اٹھ بیٹھتا اور بتا دیتا کہ یہ دُرست ہے، اللہ چاہتا تو یہ بھی ہو جاتا مگر ایک قانون ہے اللہ کا کہ دُنیا کے امور اسباب سے متعلق فرمائے گئے ہیں یہاں گائے کا ذبح ایک سبب بنا۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا مگر ترکِ سبب نہ فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا جا کر دم کر دو۔ یا کفار کی آنکھیں ریت سے بھر دیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مٹھی بھر ریت پھینکئے تو سہی۔ اگر مثالیں دی جائیں تو مضمون لمبا ہو جائے گا۔ غرضِ اصلی یہ عرض کرنا ہے کہ ہر کام کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔

توکّل کی حقیقت:

اسباب اختیار کر کے نتائج کی اُمید اللہ سے رکھنا توکل ہے اور جو نتیجہ بھی ظاہر ہو۔ اگر مرضی کے مطابق ہو تو اس پر اللہ کی تعریف کرنا شُکر ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اس پر دل میں تنگی محسوس نہ کرنے اور حرفِ شکایت لبوں پر نہ لانے کا نام صبر ہے۔ ترکِ سبب کر کے بیٹھ جانا ہرگز توکل نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ ---- وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (سورۃ البقرہ:74)

اس قدر معجزات اور اتنی عنایات دیکھنے اور پانے کے بعد بھی تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ قساوت میں پتھروں سے بھی بڑھ گئے۔ یہ قساوت یا نرمی وجودی شے نہیں بلکہ کیفی ہے ورنہ تو مومن کا دل اور کافر کا دل نکال لیا جائے تو گوشت ایک جیسا ہوگا، یہ سختی حسی نہیں بلکہ اس استعداد کے ضائع کر دینے کی کیفیت کا نام ہے جو عالمِ امر سے لطیفہ قلب میں رکھی ہے اور جس کی بدولت دل خطابِ الٰہی کا رُتبہ پاتا ہے اور جمالِ باری سے سیراب ہوتا ہے اور پھر خلقِ خدا کو سیراب کرتا ہے۔ بعض اس کی وجہ سے ہدایت پاتے ہیں اور جو ہدایت نہیں پاتے دُنیاوی نعمتیں وہ بھی انہی زندہ دلوں کے صدقے میں کھاتے ہیں کہ جب کوئی دِل زندہ نہ رہا یہ جہاں ہی نہ رہے گا اور قیامت برپا ہوگی۔ تو جو دل اللہ کی عظمت کا احساس کھو بیٹھا اور یادِ الٰہی سے خالی ہوا تو پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے کہ بعض پتھروں اور چٹانوں سے نہریں جاری ہیں جو ایک عالم کی سیرابی و شادابی کا باعث بنتی ہیں یا پھر بعض سے کم پانی نکلتا ہے مگر کسی نہ کسی درجہ میں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے کم تر درجہ میں وہ پتھر بھی ہیں جو بعض اوقات محض خشیتِ باری سے اور عظمتِ الٰہی کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ چلو روحانی نہ سہی دُنیا کے لیے مادّی فوائد کا سبب تو بنتے ہیں۔ تم تو ان سے بھی گئے گزرے ہو کہ تمہاری قساوتِ قلبی نے لوگوں کو مادّی طور پر بھی دُکھ اور مصیبت ہی دی ہے کہ دُنیا میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

ادار یہ

صدقہ جاریہ

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ (الحدید:18)

بے شک خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور جو خلوص سے اللہ کو قرض دیتے ہیں وہ ان کے لیے بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ صلہ ہوگا۔

صدقہ عربی لفظ ہے جو ایک فعل کی حیثیت رکھتا ہے اور عربی لغت میں اس کے معنی ہیں "جس کے پاس کچھ نہ ہو اُسے کچھ دینا"۔ اردو لغت میں اس کے معنی خیرات، قربان، فدا، طفیل اور بدولت کے ہیں۔ مگر قرآنِ کریم فرقانِ حمید کی مندرجہ بالا آیہ کریمہ میں رب العالمین نے مسکین کو کیا شانِ ربوبیت سے نوازہ اور صدقہ کرنے والے کو ذاتِ باری تعالیٰ پر قرضِ حسنہ کے بدلے میں اجر کی نوید سنائی۔

سبحان اللہ!

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

صدقہ جاریہ ایسا عمل ہے کہ جب تک وہ عمل قائم ہے تب تک صدقہ تواتر میں ہے۔ صدقہ کی کئی اقسام ہیں مگر احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں قارئینِ کرام کی توجہ صدقہ کی ایک ہی قسم کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اگر انسان کو آخرت مقصود ہو تو وہ قسم ہی مقصدِ حیات ٹھہر جاتی ہے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا "جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے"۔ (صحیح مسلم، جلد دوم، حدیث 4122)

گذشتہ کئی سالوں کی طرح امسال بھی مغربی ممالک میں ذکر اللہ کی دعوت کا موقع ملا۔ بے شمار لوگوں سے ملاقات، ان گنت پروگرام اور وجودی استطاعت سے زائد مصروفیات کے باوجود حسبِ عادت احباب سے ذاتی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا اور تمام بات چیت کے دوران ایک موضوع ہمہ وقت اجاگر رہا کہ ہماری اولاد میں بھی اسلام کی محبت اجاگر رہے، اپنی قدریں سلامت رہیں، رشتوں کا تقدس قائم رہے۔۔۔! ایسی ہر گفتگو میں ہمیشہ نظر میں اپنے معاشرے کی زبوں حالی، ہمارا کردار اور اولاد کی تربیت میں دنیا کے لیے اہمیت اور دین سے غفلت گردش کرنے لگتی ہے۔

اولاد کیسا پیارا رشتہ ہے کہ کچھ اچھا کھانے کو ملے تو ہاتھ منہ تک پہنچتے رک جاتا ہے کہ سنبھال لیں بچوں کو کھلائیں گے، کچھ اچھا اوڑھنے کو ملے تو سنبھال لو کہ اولاد اوڑھے گی۔ ان کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کی بھی تکمیل نہ ہو تو آنکھیں چھلک جاتی ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ بھی شام میں ان کی مسکراہٹ میں بے معنی ہو جاتی ہے مگر یہ محبت، تقدس، قدریں، رشتے سب رائیگاں جائیں گے۔ اگر اس تعلق میں اللہ پاک اور اس کے حبیبؐ کا نامِ مبارک نہیں ہوگا تو دنیا کی اُمیدیں بھر آئیں گی اور نہ آخرت سنور پائے گی۔

والدین، اولاد کی پہلی اور بہترین تربیت گاہ ہیں۔ مشرق ہو یا مغرب کہیں بھی ہماری اولاد کی بہترین تربیت نہیں ہو سکتی اگر ہم خود دینِ اسلام پہ عمل پیرا نہیں ہوتے اور اولاد کا باعمل ہونا ایک بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ جہاں لبوں پر یہ دعا ہو۔ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً وہاں عمل میں اتباعِ سنت بھی ہو تو کبھی پریشانی نہ ہوگی ورنہ اپنے آج کے حالات دیکھ کے تو علامہ صاحب کا شعر یاد آتا ہے۔

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے
(جوابِ شکوہ)

16 جون 2016ء، لندن

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

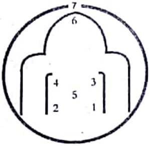

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہ مَن وخاتمہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

نعت

حُسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بو
پر جمالِ باطنی کی ضوفشانی اور ہے

دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی در کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے

بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

چاہنے والوں سے چُھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر پہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

تیری طاعت میں ہے لطفِ زندگی بے شک فقیر
کیف آگیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

رموزِ دل سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔انسان حقیقی سکون اور راحت صرف اور صرف نیکی ہی میں پاتا ہے کہ روح کا قرار ہی اصل قرار ہے۔
(نقوشِ حق،ص:530)

2۔اللہ کریم نے بُرائی کی تشہیر سے بھی روکا ہے۔افراد کی اخلاقی تربیت کے ساتھ معاشرے کو خرافات سے پاک رکھنے کے لیے احکامات عطا فرمائے ہیں۔(اکرم التفاسیر،جلد:18،ص:136)

3۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب لوگوں کی یہ ضرورت بن گئی ہے کہ اگر ذکرِ قلبی نہ ہو تو اس دور میں ایمانیات کا بچانا بھی مشکل ہے۔عقائد و نظریات کا بچانا مشکل ہے۔(المرشد،جولائی 2010ء)

4۔تزکیے کے دو طریقے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔ایک ہے ذکرِ الٰہی اور دوسرا ہے اتباعِ شریعت اور یہ لازم و ملزوم بھی ہیں۔(المرشد،دسمبر 2011ء)

5۔ہر مراقبہ اپنے اندر ایک جذب رکھتا ہے اور عالمِ بالا کی طرف اُٹھنے والا ہر قدم عملی زندگی میں نیکی کے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے۔(ارشاد السالکین،ص:48)

6۔کرامت یہ ہے کہ کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی،عقائد درست ہوئے یا اعمال کی اصلاح نصیب ہوئی اور یہی اہل اللہ کا کمال ہے کہ وہ اقامتِ دین کا کام کرجاتے ہیں۔(کنوزِ دل،ص:19)

7۔مشاہدہ وہ چیز ہے جو باطن کی آنکھ سے نظر آجائے۔جسے مشاہدہ نہ ہو اُسے وجدان ہوجاتا ہے۔وجدان یہ ہے کہ چیز نظر تو نہیں آتی لیکن دل اسے حقیقت کے طور پر تسلیم کرلیتا ہے۔(کتابچہ تصوّف کا حاصل،ص:9)

8۔اسلام کی تعریف یہ ہے کہ بندے کے اپنے ذاتی فیصلے ختم ہوجائیں اور تعمیلِ ارشاداتِ رسول ﷺ کی جائے۔
(اکرم التفاسیر جلد:4،صفحہ:256)

9۔حصولِ رزق کے لیے محنت فرض ہے۔معروف ذرائع سے محنت کی جائے۔ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا دین کے منافی ہے اور کوشش کرکے رزقِ حلال کمانا عبادت ہے۔(اکرم التفاسیر،جلد:4،ص:80)

10۔نیکی کی اصل یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہو،اللہ کے نبی ﷺ کا حکم ہو،قرآن میں ہو،سنت میں جس کا حکم دیا جائے وہ حکم بجالانا نیکی ہے۔(اکرم التفاسیر،جلد:2،صفحہ:106)

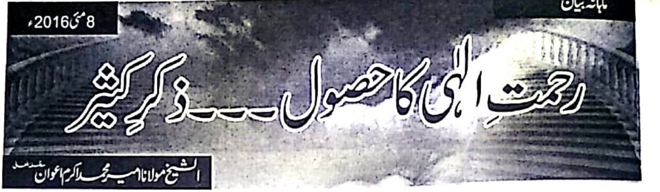

رحمتِ الٰہی کا حصول ۔۔۔ ذکرِ کثیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ (الاحزاب: 41-44)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

سورۃ الاحزاب ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور مومنین کو خطاب ہے۔ قرآنِ کریم میں تین طرح کے خطاب ملتے ہیں۔ ایک خطاب اولادِ آدم سے ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ۔۔۔ ساری انسانیت سے ہے۔ اس میں رحمت اور پیار غالب ہے، بڑے پیار سے دعوت دی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم سمجھاتا ہے، دنیا و آخرت کی ساری بات بتاتا ہے اور حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دوسرا خطاب کفار کو ہے، مشرکین و کفار سے جب خطاب ہوتا ہے تو غضبِ الٰہی کی بجلیاں کڑکتی ہیں، اس میں، جہنم کی وعید سنائی جاتی ہے، آخرت کے عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے۔ دنیا کی تباہی سے بھی ڈرایا جاتا ہے، احساناتِ الٰہی کا تذکرہ ہوتا ہے اور ان کی ناشکری پر بات کی جاتی ہے۔ تیسرا خطاب ہے مومنین کو اس کو سمجھنے کے لیے سینے میں دل چاہئے اور حساس دل چاہئے وہ دل چاہئے، جس کا کوئی محبوب بھی ہو، وہ دل چاہئے جو محبت سے سرشار اور لبریز ہو۔ ہمارے دلوں کے بارے کسی نے خوب کہا ہے کہ

دل دارند محبوب ندارند

اللہ نے دل تو ان کے سینوں میں پیدا کر دیئے ہیں لیکن انہوں نے کسی سے محبت نہیں کی، اُن کا کوئی محبوب نہیں ہے۔ دل ہو، دل کی حیات ہی محبتِ الٰہی ہے۔ اگر کسی دل میں اللہ سے محبت نہیں ہے تو زندہ نہیں ہے۔ دل ہو، اس میں محبت بھی ہو اور محبوب رکھتا ہو اور وہ محبوب اس سے بات کرے۔ یہ خطاب مومنین کو ہوتا ہے۔ نہایت پیار سے نہایت محبت سے، اور پھر جب بات ارشاد ہوتی ہے تو حسرت ہوتی ہے کہ اللہ یہ نعمت نصیب کرے۔

یہاں خطاب مومنین سے ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا (الاحزاب: 41) ۔۔۔ اے وہ لوگو جنہیں نورِ ایمان نصیب ہے۔ اٰمَنُوا ۔۔۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول کیا، قبول کرنے سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ یہ زبانی قبول کر لینا، کلمہ پڑھ لینا اور کہہ لینا "میں مسلمان ہوں" یہ اٰمَنُوا ۔۔۔ کے زمرے میں نہیں آتا۔ اٰمَنُوا ۔۔۔ کے زمرے میں وہ آتا ہے، کمی ہونا کمزوری رہ جانا، خطا ہو جانا یہ بتقاضائے بشریت ہے لیکن وہ پوری محنت حضور ﷺ کے اتباع کے لیے کر رہا ہو۔ حلال کھانے کا اہتمام کرے، جائز طریقے سے دولت کمائے، حسنِ خلق رکھتا

ہو، عباداتِ الٰہی فرائض، واجب، سنن ادا کرتا ہو، نوافل ادا کرتا ہو، زندگی کے ہر ہر موڑ پر اطاعت پیغمبر ﷺ کو مقدم رکھتا ہو اور اپنی بھر پور کوشش کرتا ہو حضور ﷺ کی اطاعت کی تو ان لوگوں سے خطاب ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔

ایمان کیا ہے؟ ایمان ایک دعویٰ ہے، ایک بندہ کہتا ہے میں مسلمان ہوں یہ اس کا دعویٰ ہے، دعوے گواہوں سے ثابت ہوتے ہیں، شہادتیں دینا پڑتی ہیں، اس دعویٰ پر گواہ کون ہے؟ ہمارے اعمال وکردار۔ جب ہم کہتے ہیں میں مسلمان ہوں، تو ہمارا کردار کیا اس کی گواہی دیتا ہے؟ ہم سچ بولتے ہیں؟ ہم حلال کھاتے ہیں؟ ہم فرائض ادا کرتے ہیں، ہم چھوٹے بڑے سے شفقت کرتے ہیں؟ ذاتی، خاندانی، قومی، بین الاقوامی امور میں اتباعِ رسالت پناہی کا لحاظ رکھتے ہیں؟ اگر کسی دعویٰ کے گواہ جھوٹے ہوں اس دعویٰ کو قبول نہیں کیا جاتا۔ ہم کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے لیکن ہمارا کردار، ہمارے اعمال اس پہ گواہی نہ دیں تو یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ ہی رہ جاتا ہے۔ جنہیں اللہ نے توفیق دی ہے وہ پوری کوشش کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے اتباع کی۔ اسلام کسی مولوی کی اطاعت کا نام نہیں ہے، اسلام کسی پیر صاحب کی اطاعت کا نام نہیں ہے۔ اسلام نام ہے اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ مولوی کا کام ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات اُمت تک پہنچائے، یہ منصب اللہ نے مولوی کو عطا کیا ہے۔ پیر کا کام ہے کہ صرف باتیں نہ پہنچائے، جذبات پہنچائے۔ ہر بات میں، ہر جملے میں ایک کیفیت ہوتی ہے۔ ایک بندہ ایک جملہ کہتا ہے ہم بھڑک اٹھتے ہیں، اُس کا سر پھاڑنے کو دوڑتے ہیں، کیوں؟ اس جملے میں ایک کیفیت تھی جو ہم نے محسوس کی، ہمیں غصہ آ گیا۔ ایک بندہ ایک بات کہتا ہے ہم خوش ہو جاتے ہیں، کھلکھلا کر ہنستے ہیں، اسے سینے سے لگا لیتے ہیں، کیوں؟ اس جملے میں ایک کیفیت تھی جو ہمارے دل نے محسوس کی، ہمیں خوشی ہوئی۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ کے صرف الفاظ نہ ہوں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی جب بات سُنیں تو کیفیت بھی دل میں آئے، اسے محسوس بھی کریں۔ غضبِ الٰہی کی بات ہو تو پسینہ آ جائے، رحمتِ الٰہی کی بات ہو تو دل باغ باغ ہو جائے۔ یہ کیفیات پہنچانا یہ پیر کا کام ہے، اگر کوئی یہ کیفیات عطا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو وہ پیر نہیں ہے۔ خانہ پُری ہے، خانہ پُری کر لی۔ وہاں بیعت کر لی، وہاں بیعت کر لی۔ دینے والے نے نہ کچھ دیا، لینے والے نہ کچھ لیا ایک خانہ پری ہو گئی۔

یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ پیروں سے اولاد ملتی ہے، دولت ملتی ہے، روزگار ملتا ہے، میاں! یہ کام اللہ کے اپنے ہیں، کسی کو کیسا بناتا ہے سیاہ یا سفید، ٹھگنے قد کا یا بڑے قد کا، عقلمند یا بیوقوف، کسی کو کتنا رزق دیتا ہے، اسے امیر رکھتا ہے یا فقیر بناتا ہے، یہ اس کا اپنا کام ہے۔ یہ سارے کام اس کے اپنے ہیں۔ کوئی پیر نہ دولت دیتا ہے نہ مال دیتا ہے بلکہ پیر کے نام پر تو لوگ دولت جمع کر رہے ہوتے ہیں، دیں گے کہاں سے؟ جو خود لوگوں سے دو دو، چار چار، دس دس روپے لے رہے ہوتے ہیں وہ دیں گے کیا؟ گدا اگر کسی کو کیا دے گا؟ جو خود مانگ کے کھاتا ہے وہ دوسرے کو کیا دے گا؟ مولوی بہت بڑا منصب ہے لیکن مولوی کے پاس کیفیات نہیں ہوتیں، الفاظ ہوتے ہیں قرآن کے، حدیثِ پاک کے۔ پیر کا اس سے زیادہ نازک معاملہ ہے۔ پیر وہ ہے جس کے پاس کیفیات بھی ہوں۔ خانہ پُری کے لیے لوگ جاہلوں کو بھی مولوی بنائے رکھتے ہیں اور نااہلوں کو بھی پیر بنائے رکھتے ہیں۔ خانہ پُری ہو جاتی ہے، مقصد پورا نہیں ہوتا۔

یہاں خطاب ان لوگوں کو ہے جو احکاماتِ رسالت پناہی ﷺ بھی جانتے ہیں، تلاش کرتے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں اور ان کی کیفیات بھی دل میں محسوس کرتے ہیں، وہ ہیں اللہ کریم کے مخاطب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ بھئی یہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں، ان کے دل میں نورِ ایمان ہے، ان کو ارشاداتِ باری تعالیٰ اور ارشاداتِ نبی کریم ﷺ کا بھی علم ہے۔ ان کے دل میں کیفیات بھی ہیں، محسوس کرتے ہیں، پھر اور مزید کیا کریں، فرمایا: اب تم اس قابل ہوئے ہو۔ اذکُرُوا اللہ

ذِكۡرًا كَثِيۡرًا (الاحزاب:41)۔۔۔اب اس قابل ہوئے ہو کہ تم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ گویا ذکر کیا ہے؟ ایمان اور اعمال کا پھل ہے۔ عقیدہ بھی درست ہو، ایمان بھی درست ہو، فرض، واجب، سنت کا علم رکھتا ہو۔ عالم ہونا تو جس کی قسمت میں ہوگا وہ ہوگا، لیکن ہر مومن کو، ہر مسلمان کو فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سنت ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔ روزمرہ کے معمولات کو جاننا ہر ایک کے لیے ضروری ہے، وہ جانتا بھی ہو پھر اللہ نے اسے یہ شرف بخشا ہو کہ اس کے دل میں کیفیات بھی ہوں، محسوس بھی کرتا ہو۔ فرمایا: اب تم اس قابل ہوئے ہو کہ ذکر کرو اور ذکرِ کثیر کرو۔ کثیر سے مراد ہے زندگی میں جو کام سب سے زیادہ کرو وہ ذکرِ الٰہی ہو۔ زندگی میں تو ہم بہت سے کام کرتے ہیں، بے شمار باتیں رات دن کرتے ہیں فرمایا: جتنی باتیں کرتے ہو اس سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ بارِ الٰہا! ہم بے شمار چیزیں دیکھتے ہیں، فرمایا جو کچھ دیکھتے ہو اس سب سے زیادہ اللہ کی عظمت کو دیکھو۔ ہمارا دل ہے، شکمِ مادر سے دھڑکنا شروع کرتا ہے اور لبِ گور تک دھڑکتا چلا جاتا ہے۔ سب سے کثیر عمل جو انسانی زندگی میں ہوتا ہے وہ دل کی دھڑکنیں ہیں۔ فرمایا: اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کرو کہ ذکرِ کثیر مطلوب ہے، اور جب ذکرِ الٰہی نصیب ہوتا ہے تو وجود کا ایک ایک سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ ہر انسانی وجود میں دس کھرب سیل ہیں، دل ایک بار دھڑکتا ہے اور اللہ کا نام دس کھرب بار لیتا ہے، تب جا کر ذکرِ کثیر بنتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا۔۔۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا (الاحزاب:42)۔۔۔ صبح شام، رات دن علی الدوام، ہمہ وقت اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ تم بات کرو تو پتا چلے یہ اللہ کا بندہ ہے، اس کی باتوں میں عظمتِ الٰہی ہے۔ تم کام کرو تو پتا چلے یہ کسی کا غلام ہے، کسی کے کہنے پہ کر رہا ہے۔ تمہارا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، ہر ادا یہ بات بتاتی رہے کہ تم اللہ کے بندے ہو، تم نبی کریم ﷺ کے غلام ہو۔ اُمتی ہو۔ بارِ الٰہا! کھانے پینے، سونے جاگنے، کمانے، خرچ کرنے، جینے مرنے ہر بات میں ہم ذکر ہی کرتے رہیں، تیرا نام ہی بیان کرتے رہیں، تیری پاکی اور عظمت کے گیت گاتے رہیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟

هُوَ الَّذِيۡ يُصَلِّيۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰۤئِكَتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا (الاحزاب:43)

وہ ایسا کریم ہے جو ہر لمحہ تم پر اپنی رحمتیں نچھاور کر رہا ہے، کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس لمحے اس کی بارگاہ سے مومنین پر رحمتیں برس نہ رہی ہوں۔ وَمَلٰۤئِكَتُهٗ۔۔۔ اور اس کے سارے فرشتے بھی۔ اب فرشتے کتنے ہیں وہ آپ ہی جانے، زمینوں پر فضاؤں میں، آسمانوں پر کہاں تک کتنے فرشتے ہیں یہ وہی جانتا ہے۔

وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31)۔۔۔ وہ خود ہی جانتا ہے کوئی دوسرا گن نہیں سکتا، وہ سارے فرشتے بھی ہمہ وقت دست بدعا رہتے ہیں کہ اللہ مومنین پر رحمتیں نازل فرما اور وہ خود ہمہ وقت رحمتیں برساتا ہی رہتا ہے۔ اب جتنا ذکر کرو گے جتنا دل کو صیقل کرو گے، جتنا دل کو چمکاؤ گے اُتنی رحمتیں قبول کرنے کی استعداد پاؤ گے۔ وہاں اُدھر سے کمی نہیں ہے، تم سو رہے ہو اُس کی رحمتیں برس رہی ہیں، تم جاگ رہے ہو اُس کی رحمتیں برس رہی ہیں، تم چل رہے ہو اُس کی رحمتیں برس رہی ہیں، تم بیٹھے ہو اُس کی رحمتیں برس رہی ہیں، تم گھر میں ہو، تم جنگل میں ہو، تم سفر میں ہو، تم کہیں ہو دنیا کے کسی گوشے میں ہو۔ سارا ملک کفار کا ہو اس میں ایک مسلمان ہو تو اُس ایک پر بھی ہمہ وقت رحمتیں برس رہی ہیں۔ اب بات یہ ہے کہ وہ قبول کرتا ہے کہ نہیں۔ آپ بجلی کا تار لوہے سے لگاتے ہیں تو اُس میں سے بجلی گزر جاتی ہے، اُس میں قبول کرنے کی استعداد ہے۔ وہی تار خشک لکڑی سے لگاتے ہیں اس سے زیادہ طاقت کی بجلی دیتے ہیں تو بھی اُس سے نہیں گزرتی کہ اس میں قبولیت کی استعداد نہیں۔

ہمیں بحیثیت مسلمان جن کو اللہ سے شکوہ ہے، بے شمار مسلمان اللہ سے روٹھے بیٹھے ہیں، بے شمار مسلمانوں کو شکایت ہے ہم پر یہ مصیبت

آ گئی ہم پر وہ مصیبت آ گئی، انہیں سوچنا یہ چاہیے کہ اس ذات کی طرف سے تو ہمہ وقت رحمتیں برس رہی ہیں، تمہارے ہاں کمی ہے، تم قبول نہیں کر رہے ہو۔ اگر تم مشکلات میں ہو، مصیبتوں میں ہو، پریشانیوں میں ہو، تو یہ تمہاری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ ذرا اپنے عقیدے اور کردار پہ غور کرو، اپنی یادِ الٰہی کو دیکھو، اپنے دل کی دھڑکنوں کا حساب کرو، کہیں اللہ کا نام ہے؟ اگر نہیں ہے تو بارش تو برستی ہے، کھیتوں میں تو سبزے اُگتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، پتھروں پر چٹانوں پر کیا اُگے گا؟ اگر تم نے دل کو چٹان کر لیا ہے تو دعویٰ اسلام کا کرتے رہو، دعویٰ پر تو عمل نہیں ہوگا، عمل تو واقعیت پر ہوگا، جو حقیقت ہے اس پر ہوگا۔ چٹان پر تو مینہ برسے تو قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اس پر جو تھوڑی بہت مٹی پڑی ہوتی ہے وہ بھی بہا کے لے جاتا ہے، نری چٹان نکل آتی ہے۔ وہ تو ایسا کریم ہے۔ يُصَلِّي عَلَيْكُمْ ۔۔۔ ہمہ وقت، شب و روز، ہر ہر لحہ رحمتیں برستی رہتی ہیں۔ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ ۔۔۔ اور اس کے فرشتے دست بدعا رہتے ہیں، پھر بھی رات دن ہمہ وقت ذکرِ دوام کرنے کے بعد بھی، حلال کھانے، سچ بولنے، اتباعِ پیغمبر ﷺ کے بعد بھی انسان کبھی بھی انتہا کو نہیں پہنچتا۔

لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (الاحزاب: 43)

تمہارا سفر تاریکیوں سے نور کی طرف جاری رہتا ہے یعنی قربِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے، کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ آپ وہاں پہنچیں تو آگے اللہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک ولی اللہ، اسے اللہ ہزاروں سال زندگی بھی دے اور وہ بندہ ہزاروں سال ترقی بھی کرتا رہے انتہا کہیں نہیں آتی، وہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے جوتوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان سے اوپر تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہیں، ان سے اوپر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جہاں شرفِ صحابیت کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے عظمتِ نبوت کی ابتداء ہوتی ہے، تو یہ اوپر وہ فاصلے پڑے ہیں اربوں، کھربوں، میلوں کے جدھر وہ جا ہی نہیں سکتا۔ ولایت میں بعض بزرگوں نے کہا کہ وہاں سلوک مکمل کر لیا، سلوک مکمل نہیں ہوتا۔ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۔۔۔ یہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ انہیں دھوکا لگا کہ بعض افراد نے فنافی اللہ، بقاباللہ تک مراقبات کر لیے اور سمجھا سلوک مکمل ہو گیا۔ ارے فنا بقا تو الف، ب، ج ہے، ابجد ہے سلوک کی، اگر کوئی ابجد الف سے یے تک پڑھ لے تو کیا اس نے علم مکمل کر لیا؟ وسیع سمندر ہے، بحرِ زخار ہے، کوئی کنارہ نہیں ملتا اس کا۔ تو جب تم عمل بھی شریعت پر کرو گے، اعتماد علی الرسول ﷺ ہوگا، پھر علی الدوام ذکر نصیب ہوگا تو تمہارے دل میں استعداد آئے گی کہ ہمہ وقت جو رحمتیں برس رہی ہیں انہیں قبول کر سکو اور تمہارا سفر نیکی کر طرف جاری و ساری رہے۔ ظلمتوں کو چھوڑ کر روشنیوں کی طرف بڑھتے ہی رہو۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (الاحزاب: 43) ۔۔۔ وہ تو شروع سے، ابتدائے آفرینش سے، مخلوق کو پیدا کرنے سے مومنین کے لیے سراپا رحمت ہے، اگر کوئی اپنے آپ کو رحمت سے محروم سمجھتا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ دائرہ مومنین سے اُس کی کوئی ٹانگ یا بازو باہر ہے، جس سے اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ دائرۂ ایمان کے اندر تو کوئی دکھ نہیں، کوئی تکلیف نہیں۔ سب سے بڑی تکلیف تو ہے ناں کہ بندے کو قتل کر دیا جائے، اُس کی زندگی چھین لی جائے، گہرے زخم لگائے جائیں۔ مال کا لٹ جانا اور نعمتوں کا چلے جانا بھی غم ہے لیکن جب جان ہی چلی جائے تو یہ تو انتہائی تکلیف ہے۔ اللہ کی راہ میں جن کی جان بھی جاتی ہے انہیں تکلیف نہیں ہوتی، لذت آتی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے! شہادت مومن کا خاصہ ہے۔ جو اللہ کی راہ میں جان دیتا ہے اور حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہومِ عالی ہے، فرمایا: شہداء سے اللہ کریم پوچھیں گے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ مانگو جو مانگتے ہو، وہ کہیں گے اللہ! معمورۂ عالم کو پھر آباد کر، ہمیں وہاں زندگی دے، پھر تیری راہ میں میدانِ کارزار میں نکلیں اور پھر اسی طرح قتل کیے جائیں۔ ایک طرف جنت کی نعمتیں، آخرت کی لذتیں بے انتہا نعمتیں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں جو مزہ قتل ہونے میں تھا وہ کچھ اور ہی تھا، ہمیں پھر وہاں بھیج دیں۔ تو ایسے لوگوں پر بظاہر

تکلیف بھی آتی ہے تو دوسروں کو نظر آتا ہے کہ یہ دکھی ہیں، ان کا دل باغ باغ ہو رہا ہوتا ہے، ان پر رحمتِ الٰہی نازل ہو رہی ہوتی ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔۔۔ ایمان والوں پر تو وہ ازل سے ہی رحمتیں نچھاور کرتا آرہا ہے، آج کی بات نہیں، کل کی بات نہیں، تمہاری تخلیق سے لے کر تمہاری انتہا تک ہمہ وقت رحمتیں برسارہا ہے۔ ہاں! اس دائرۂ ایمان میں داخل ہونا یہ تمہارا کام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ: 208) اے ایمان والو! سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ تا کہ سارے کے سارے رحمتیں لوٹو، اگر ٹانگ باہر رہ گئی، اگر بازو باہر رہ گیا آدھا دھڑ باہر رہ گیا تو باہر اس پر پتھر برسیں، گرمی لگے یا جل جائے یا مرجائے، اس کا تو ذمہ نہیں ہے۔ اندر آجاؤ اندر کوئی تکلیف نہیں ہے، رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے، ہمہ وقت ہو رہا ہے۔ فرمایا: اس کی رحمت تو یہ ہے، میدانِ حشر قائم ہوگا، تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو کر ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان، جس پر قیامت قائم ہوگی، ساری مخلوق ایک جگہ جمع ہو جائے گی۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا، زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوگی، سامنے جہنم بھڑک رہا ہوگا، ایک طرف جنت سجی ہوئی ہوگی، انسانیت تڑپ رہی ہوگی، اس لمحے کیا ہوگا؟

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ (الاحزاب: 44)۔۔۔ جب انسانیت تڑپ رہی ہوگی، قیامت کا منظر ہوگا تو ان ایمان والوں پر اللہ کریم کی طرف سے سلامتی نازل ہو رہی ہوگی۔ اس عرصۂ محشر میں یہ اللہ کی سلامتی کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ انہیں نہ زلزلے کا پتا چلے گا، نہ قیامت کے وقوع کا پتا چلے گا، نہ قیامت کی گرمی کا احساس ہوگا نہ ہی انہیں جہنم کا ڈر ہوگا، نہ کوئی خوف ہوگا نہ ہی یہ پریشان ہوں گے بلکہ موجیں لوٹ رہے ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے سلامتی ہی سلامتی نچھاور ہو رہی ہوگی۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا (الاحزاب: 44)۔۔۔ اور اس دن تو ان کے اوپر اللہ کے انعامات نچھاور ہو رہے ہوں گے۔ مومنین کے علاوہ ساری انسانیت لرز رہی ہوگی جبکہ یہ انعام پا رہے ہوں گے، موج اڑا رہے ہوں گے۔ رحمتوں کا نزول ہو رہا ہوگا، اللہ کریم کی طرف سے ان پہ سلام بھیجے جا رہے ہوں گے، سلامتی نازل کی جارہی ہوگی۔ ہم تو دعا کرتے ہیں، ہمارا اسلام کیا ہے؟ ہمارا اسلام ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ اللہ کا سلام ہے کہ اللہ باقاعدہ سلامتی نازل فرماتا ہے، وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے۔ ہم تو مانگتے ہیں کہ اللہ آپ پر سلامتی نازل فرمائے، وہ مانگتا نہیں وہ خود سلامتی نازل فرماتا ہے۔ فرمایا: ان مومنین پر اُس دن اللہ خود سلامتی نازل فرما رہے ہوں گے جبکہ عرصہ محشر ہے، ہر فرد تڑپ رہا ہوگا لیکن یہ جو دائرۂ ایمان کے اندر آگئے، جنہوں نے رات دن ذکرِ الٰہی کیا، جنہوں نے زندگی بھر رحمتیں جمع کیں، عرصۂ محشر میں بارگاہِ الوہیت کی طرف سے ان پر سلامتی نچھاور ہو رہی ہوگی۔ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا۔۔۔ اور ان کے لیے اللہ نے بہت خوبصورت انعام رکھے ہیں۔

قرآنِ کریم نے جو اللہ جَلِّ شانہٗ کا ذاتی کلام ہے اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان اور لب ہائے مبارک سے ہم تک پہنچا ہے اس نے بڑی وضاحت سے ہماری عملی زندگی سے لے کر روزِ محشر تک کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور یہ سارا سچ ہے، اس میں کوئی افسانہ نہیں۔ اب انتخاب ہر فرد کا اپنا ہے، وہ کیا چنتا ہے؟ دنیوی لذّات چنتا ہے، چوری ڈاکے کا مال و دولت چنتا ہے، نافرمانیوں کی طرف جاتا ہے یا اطاعتِ الٰہی اختیار کر کے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ سایہ انعاماتِ الٰہی کی طرف بڑھتا ہے! یہ اختیار بندے کو دیا ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر: 3)
ہم نے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں جو چاہے وہ شکر کا راستہ اختیار کر لے، اگر کوئی ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے تو کر کے دیکھ لے، خود بھگتے گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ O

سورۃ الحج

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

ان صوفیوں کی مذمت جو حق سے ناگواری رکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ (الحج:72)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں پر برے آثار دیکھتے ہو۔

''اس میں ان مدعیانِ تصوف کی مذمت ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے رد کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اِس زمانہ میں کثرت سے ہیں۔''

فرماتے ہیں اُس زمانے میں تو کافر ایسے تھے کہ ان کے سامنے جب اللہ کی آیات پڑھی جاتیں تو جو کچھ وہ کرتے تو ان پر تنقید ہوتی تھی تو ان کے چہرے پہ بھی ناگواری آجاتی تھی۔ تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں تو نام نہاد صوفی اور پیر بھی بہت سے ایسے ہیں کہ جنہوں نے رسومات اور بدعات کو رواج دے کر پیسے جمع کرنے کے طریقے بنا رکھے ہیں۔ یہ سارے حیلے بہانے ہیں لوگوں کو لوٹنے کے کہ اس سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا، کوئی نیکی حاصل نہیں ہوتی۔ بجائے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کلام سنانے کے قوالیاں کرتے ہیں، گانا بجانا ہوتا رہے گا اور لوگ مال و دولت نیاز دیتے رہیں گے۔ ڈھول ڈھمکے اچھل کود ہوتے رہیں گے اور ہر جگہ تقریباً یہی ہے۔ تو فرمایا ان کے سامنے بھی اگر ایسی ہی آیت پڑھی جائے یا ایسا حکم شرعی بیان کیا جائے جو ان کے اس عمل کو رد کرتا ہو تو اِن کے چہرے بھی بدل جاتے ہیں اور ان پر بھی ناگواری کے اثرات آجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اُس عہد میں تو صرف کافر تھے، اب تو یہ نقلی صوفی ہیں جن کی اس زمانے میں کثرت ہوگئی ہے اور اگر ان کو جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے بارے بتایا جائے کہ یہ صحیح نہیں ہے تو ان کے چہرے پر بھی ناگواری کے اثرات آجاتے ہیں۔ اللہ کریم سب کو ہدایت دے اور اپنی اور اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی سے پناہ دے۔

تربیت میں استعداد کا لحاظ:

قولہ تعالیٰ: وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ (الحج:73)

ترجمہ: اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔

''اس میں دلالت ہے اس پر کہ مخاطب کی اصلاح میں اس کی فہم اور استعداد کی رعایت رکھی جاوے۔ چنانچہ اس تمثیل سے ظاہر ہے کہ ان کی فہم کے موافق لائی گئی اور روح میں ہے کہ اس میں ان لوگوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جو اولیاء اللہ کے معاملہ میں غلو کرتے ہیں کہ ان سے مدد مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ سے تصوف و سلوک کے دو مسئلے اخذ فرمائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب آپ کسی سے بات کرتے ہیں تو اس کی عقلی استعداد کے مطابق اس انداز سے کریں کہ اسے سمجھ آجائے۔ جس طرح اس میں اللہ کریم نے کفار سے خطاب کیا کہ تمہارے بتوں سے اگر مکھی بھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو ان میں اتنی قوت نہیں ہے کہ اس سے واپس لے

سکیں یا اسے روک سکیں، تو یہ کفار کی عقلی استعداد کے مطابق مثال ارشاد فرمائی۔ تو سلوک میں بھی اس سے یہ مراد ہے کہ جسے آپ دعوت دیتے ہیں یا جس کی تربیت کرتے ہیں اسے وہ باتیں بتائیں جو اس کی سمجھ میں آسکیں۔ ایسے واقعات نہ بتائیں جو اس کی فہم و ادراک سے بالاتر ہوں۔ دوسرا مسئلہ اس میں سے یہ ہے کہ اہل اللہ سے برکات حاصل کرنا، کیفیات حاصل کرنا جو عقائد و اعمال کی اصلاح کا سبب ہوں، وہ درست ہے لیکن اولیاء اللہ کو ضرورتوں میں پکارنا اور سمجھنا کہ اُنہی سے سب کچھ ملتا ہے، اس کا بھی اس میں رد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا کسی کو کچھ دینے والا نہیں۔

جہادِ نفس و قلب و روح:

قولہٗ تعالیٰ: وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ (الحج:78)

ترجمہ: اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔

''روح میں ہے کہ یہ تمام انواعِ مجاہدہ کو شامل ہے۔ ان میں سے جہادِ نفس بھی ہے اور وہ ادائے حقوق و ترکِ حظوظ سے اس کا تزکیہ کرنا ہے اور اس میں سے نفس بھی ہے اور وہ اس کا تصفیہ ہے اور کونین سے اس کا تعلق قطع کرنا اور اس میں سے جہادِ روح بھی ہے اور ہستی کا فناء کرنا ہے۔''

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ ان تھک کوشش کرو، ایسی کوشش جو اس کی شان کے لائق ہے جیسا اس کوشش کا حق ادا ہو، تو اس میں فرماتے ہیں تمام قسم کا مجاہدہ شامل ہے۔ مجاہدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عقائد بالکل صاف ستھرے، کھرے، صحیح ہوں۔ پھر اعمال میں حق پر رہنے کی پوری کوشش کرے اور دنیا اور ماحول میں نہ بہہ جائے کہ لوگ اس طرح کر رہے ہیں میں بھی اُسی طرح کروں، یا فلاں شخص ناراض ہو جائے گا یا دولت کا نقصان ہو جائے گا۔ اس میں دوسرے مجاہدات جیسے راتوں کو جاگنا، نوافل پڑھنا، تلاوت کرنا، ذکر اذکار محنت کرنا وہ بھی شامل ہے لیکن اصل بنیاد شریعت پر عمل کرنے کے لیے پوری کوشش کرنا ہے۔

تربیت میں سہولت:

قولہٗ تعالیٰ:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ (الحج:78)

ترجمہ: اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

''اس میں دلالت ہے سہولت فی التربیۃ پر۔''

یعنی دین کو اس قدر مشکل نہ بنا دیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا اصرار کیا جائے کہ اگلا بھاگ ہی جائے۔ دین کو سہل رکھیں۔ یہاں دیکھا گیا ہے کہ مثلاً مسجد میں پانچ دس نمازی ہوتے ہیں کوئی نیا آدمی آ جائے، نوعمر آ جائے یا نیا محلے کا لڑکا ہی آ جائے، آپ جانتے بھی ہوں تو بجائے اسے سمجھانے کے ٹوکتے رہتے ہیں کہ تم نے یہ وضو کیسے کیا۔ تم نے پیر کہاں رکھا، تمہارا یہ پائنچہ کتنا اونچا ہے، کتنا نیچا ہے، تمہاری قمیض کا بٹن بند کیوں نہیں ہوا، یہ ہوا وہ ہوا، تو ایسی تنقید کریں گے کہ وہ اگلی دفعہ بھاگ جائے گا۔ فرمایا دین کو مشکل نہ بنائیں جو سہولیات اللہ نے دی ہیں ان پر اعتراض نہ کریں اور آنے والے سے اس طرح سے سلوک کریں کہ وہ مایوس نہ ہو۔ پہلے بھی سلسلۂ عالیہ میں ہر طرح کے لوگ آتے تھے، حضرتؒ نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ تم دیوبندی ہو، بریلوی ہو، اہلِ حدیث ہو، کون ہو۔ کتنے طبقے بن گئے مسلمانوں کے۔ ہر طرح کے لوگ آتے تھے، دنیا دار، شرابی کبابی اور سینما گھروں سے اٹھ کر کلبوں سے اٹھ کر، تو حضرتؒ تربیت فرمانا شروع کر دیتے تھے لیکن پوچھتے نہیں تھے کہ تمہارا ماضی کیا ہے۔ تو اللہ کا شکر ہے رفتہ رفتہ وہی لوگ بہت پکے صوفی اور ذاکر اور نیک و صالح بن گئے اور اگر شروع سے ہی ان پر اس طرح کی تنقید کی جاتی تو مفید نہ ہوتا۔

الحمد للہ! ہمارا طریقہ آج بھی وہی ہے، ہر آنے والے کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کے اسباق شروع کرا دیتے ہیں۔ جب تربیت

شروع ہوتی ہے تو چھوٹی موٹی چیزیں وہ از خود سمجھ لیتا ہے کہ کیا کرنی چاہیے کیا نہیں کرنی چاہیے۔ تو دین میں جو آسانیاں اللہ نے دی ہیں وہ بھی اللہ کا حکم ہے، جو سہولتیں اللہ نے دی ہیں وہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ جتنا عزیمت پر عمل کرنے کا ثواب ہے، رخصت پر عمل کرنے کا بھی اتنا ہی ثواب ہے کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔

اچھا لقب دینا طریق میں آنے والے کو:

قولہ تعالیٰ: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج:78)

ترجمہ: اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس میں بھی۔

"اس میں بعض صوفیہ کے اس معمول کی اصل ہے کہ جو شخص طریق میں داخل ہوتا ہے اس کو ایک اچھا لقب دیتے ہیں بشرطیکہ مقصود تفاخر اور اہل حق سے تفرد نہ ہو۔"

فرماتے ہیں کوئی اچھا سا لقب کسی کو دے دیا جائے، جیسے ابراہیمؑ نے مسلمان کا لقب دیا تھا سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ تو یہ اچھی بات ہے لیکن اس میں دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ پہلی بات جسے لقب دیا گیا ہے اس کے لئے فخر کا سبب نہ بن جائے، اس میں وہ اکڑ نہ آجائے۔ اور دوسری بات یہ کہ کوئی ایسا بھی نہیں ہو کہ اس میں بالکل تفرق کر دیا جائے، اس کی انفرادی شخصیت ختم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

سورۃ المومنون

خشوع کا مطلوب ہونا:

قولہ تعالیٰ: الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون:2)

ترجمہ: جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

"یہ آیت صراحتاً دال ہے خشوع کے مطلوب ہونے پر اور روح میں ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ صحتِ صلوٰۃ کی شرط نہیں مگر قبول کی شرط ہے۔"

هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ... خشوع ایک کیفیت ہے قلب کی، دل کی ایک حالت ہے اور اپنی کم مائیگی کا احساس اور عظمتِ الٰہی کا احساس خشوع پیدا کرتا ہے۔ جیسے کوئی بندہ کسی بڑی عدالت یا کسی بادشاہ کے دربار میں جائے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے کہ بادشاہ خفا ہو جائے اور اندر ہی اندر ڈر رہا ہوتا ہے۔ کوئی بات بھی کرتا ہے تو اس عدالت یا اس دربار کی ہیبت اس پر طاری ہوتی ہے۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا جو بادشاہ کو ناگوار گزرے۔ اس کیفیت کو جب یہ اللہ کے ساتھ ہو تو اسے خشوع کہتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں یہ جو ہے هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ... یہ خشوع کے مطلوب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہر نماز میں خشوع مطلوب ہے۔ فرماتے ہیں صاحب روح المعانی نے جرح کی ہے اس کی کہ خشوع نماز کی صحت کی شرط نہیں کہ اگر خشوع نہیں ہوگا نماز نہیں ہوگی۔ نہیں، نماز ہو جائے گی لیکن قبول کی شرط ضرور ہے اور ہر بندے کا خشوع اپنی حیثیت کے مطابق، اپنی عملی عقلی استعداد کے مطابق، اپنے تعلق باللہ کے مطابق کہ ہر فرد کے ساتھ اللہ کا ایک اپنا تعلق ہے اپنا رنگ ہے۔ تو ہر شخص کی اپنی حیثیت کے مطابق خشوع مطلوب ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ صحتِ نماز کی شرط نہیں کہ اگر خشوع نہیں ہے تو نماز نہیں ہوگی۔ وضو شرط ہے، وقت درست ہے، کپڑے پاک ہیں، قبلہ رو ہے، ارکان پورے کیے ہیں، عبادت صحیح کی ہے، تو نماز تو ہو گئی۔ نماز کی صحت کی شرط خشوع نہیں، قبولیت کی شرط خشوع ہے کہ قبول تب ہو گی جب اس میں خشوع ہوگا۔ ورنہ وہ اٹھک بیٹھک رہ گئی، وہ نماز والی بات اس میں نہ بنی۔

ورع اہل طریق:

قولہ تعالیٰ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون:3)

ترجمہ: اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔

"اس میں اہل طریقت کے مبالغہ فی الورع کی تصریح ہے کہ وہ ایسے امور کو بھی ترک کر دیتے ہیں جس میں نہ ضرر ہو اور نہ نفع، جیسا کہ مضر

کو ترک کر دیتے ہیں۔"

فرمایا اس میں صوفیوں کا جو یہ رویہ ہے کہ بعض چیزوں سے نفع اور کوئی نقصان بھی نہیں، گناہ بھی نہیں تو انہیں بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ اس میں وقت ضائع کیا جائے، اتنی دیر اللہ اللہ کیوں نہ کر لی جائے۔ جس چیز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں جس کا کوئی ثواب نہیں اگرچہ اس کا گناہ بھی نہیں مباح چیزیں ہیں لیکن وہ اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ وقت کا ضیاع تو ہے۔ تو فرمایا اس آیت میں اس کی اصل ہے کہ یہ لوگ لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ لغو ہوتا ہے، فضول چیز جس کا کوئی نقصان نہ نفع۔ تو فرمایا وہ لوگ جو لغو باتوں سے الگ رہتے ہیں جس میں اہل طریقت کی مبالغہ فی الورع کی تکمیل یعنی نیکی میں مبالغہ، بہت بڑی کوشش کرنا۔ ایسے کام بھی چھوڑ دینا جس میں نفع نہیں ہے نقصان بھی نہیں ہے، گناہ بھی نہیں ہے ثواب بھی نہیں ہے تو آخر اس پر وقت کیوں لگایا جائے، اتنا وقت اللہ اللہ کیوں نہ کر لی جائے۔ تو فرمایا اس کی اصل اس آیہ کریمہ میں ہے۔

قوت شہویہ کو دبانا:

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المومنون:5)

ترجمہ: اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

"روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنی قوتِ شہویہ پر مستول ہیں۔"

یعنی کسی شہوانی خیال سے دنیا کے امور میں مبتلا نہیں ہوتے اور شہویہ صرف یہ شہوت رانی نہیں ہوتی، ہر لالچ والے خیال کو شہوانی خیال کہتے ہیں۔ کہیں پیسے کا لالچ، کہیں اقتدار کا لالچ، آپ نے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ ساری عمر کسی بندے سے کوئی فائدہ نہ ہو، لیکن ایک لالچ سے اُس سے چمٹے رہتے ہیں کہ کبھی شاید یہ کام آ جائے۔ ایک عام آدمی غریب آئے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، کوئی امیر آ جائے تو اسے بڑی دور سے لینے جائیں گے اور اچھی جگہ لا کے بٹھائیں گے۔ یہ کیا ہے؟ یہ سب شہوانی اعمال ہیں۔ انسان میں ایک لالچ آ جاتا ہے کہ اس سے مجھے کچھ ملے گا۔ غریب آدمی ہے تو اسے پوچھے گا کوئی نہیں، امیر ہے تو خواہ مخواہ اس کے گلے لپٹتے رہیں گے اور واقفیت بناتے رہیں گے۔ کوئی سرکاری عہدیدار آ گیا تو خواہ مخواہ اس کے آگے پیچھے بھاگتے رہیں گے۔ تو فرمایا یہ درست نہیں ہے۔ اللہ کے بندے جو ہیں وہ شہوت پر اپنا اختیار رکھتے ہیں، اسے روک کے رکھتے ہیں، محض ایسے کام نہیں کرتے، جو کام کرتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

فیض کے بر مناسبت کا شرط ہونا:

قولہ تعالیٰ: مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (المومنون:24)

ترجمہ: یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

"یہ اس پر دال ہے کہ کمالِ فیض کی شرط مناسبت ہے اور اہل طرایق اس کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔"

آپ نے اس آیہ کریمہ کا دوسرا پہلو لیا ہے۔ کہا تو کفار نے تھا انبیاء کے حق میں کہ یہ خواہ مخواہ نبوت کا دعویٰ کئے ہوئے بیٹھا ہے لیکن ہے تو ہماری تمہاری طرح ایک عام انسان، تو پھر یہ کس طرح نبیؐ ہو گیا؟ تو فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ فیض کی شرط مناسبت ہے، یعنی اللہ نے انسانوں میں سے نبیؐ اس لئے بنائے کہ انسان کو انسان سے مناسبت ہوتی ہے اور انسان ان سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے، تو شیخ سے مناسبت کا ہونا، مزاج کا ملنا جو ہے وہ اخذ فیض کا سبب بنتا ہے۔ شیخ کی سوچ اور طرز عمل کچھ اور ہے طالب کا طرز عمل کچھ اور ہے، اگرچہ دونوں کا شرعی طریقے سے جائز ہو لیکن وہ جو اُن کی سوچ کا فرق ہے اور عمل کا فرق ہے وہ فیض کو مانع ہوگا۔ جتنی مناسبت ہوگی اتنا فیض ملے گا۔

❁❁❁

اکرم التفاسیر

سورۃ الاحزاب آیات 31 تا 35

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہے گی اور نیک کام

صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا

کرے گی ہم اس کا اجر دوگنا کردیں گے اور ہم نے اس کی خاطر عمدہ روزی تیار

كَرِیْمًا ۝ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

کررکھی ہے۔ اے پیغمبر (ﷺ) کی بیبیو! آپ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں

اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ

اگر آپ پرہیزگار رہنا چاہتی ہیں تو (کسی اجنبی شخص سے) نزاکت سے بات نہ کریں۔ تو ایسے شخص جس

فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ

کے دل میں مرض ہو کوئی (طبعاً) خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے اور دستور کے مطابق بات کریں۔ اور اپنے

فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى

گھروں میں ٹھہری رہیں اور پہلے زمانہ جاہلیت میں پھرنے کے دستور کے مطابق مت پھریں

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ

اور نمازوں کی پابندی رکھیں اور زکوۃ دیا کریں اور (ہمیشہ) اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہیں

وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ

بے شک اللہ چاہتے ہیں کہ اے (پیغمبر کے) گھر والو! آپ سے آلودگی کو دور رکھیں

اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا

اور آپ کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک وصاف رکھیں۔ اور آپ اللہ کی

یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

ان آیات (احکام) کو یاد رکھیں اور حکمت کی باتوں کو جن کا آپ کے گھروں میں چرچا رہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ

بے شک اللہ باریک بین (اور) باخبر ہیں۔ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ

اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں

وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں

وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں

وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا

اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے

وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝

مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔

الحمدللہ! 22واں پارہ شروع ہوتا ہے، سورۃ الاحزاب چل رہی ہے۔ پیچھے اس میں ذکر گزر چکا کہ جب بنو قریظہ کی فتح ہوئی، دوسرے یہود قبائل بھی مدینہ سے نکل گئے اور فتوحات جزیرہ نمائے عرب میں پھیلیں، مالِ غنیمت آیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی فراخی نصیب ہوگئی۔ مالِ غنیمت لوگوں میں تقسیم ہوتا تھا تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے

بھی عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! خانۂ اقدس پر بہت تنگی ہوتی ہے، بڑی مشکل سے بسر ہوتی ہے، دو دو مہینے آگ نہیں جلتی، چند کھجوروں پہ گزارا ہوتا ہے۔ تو جب اللہ نے مالِ غنیمت دیا ہے، تمام مسلمانوں پر الحمدللہ! فراخی آگئی ہے تو کچھ خانۂ اقدس ﷺ پر بھی ہونا چاہئے، گزارا تو آرام سے ہو۔ دو وقت کی روٹی تو میسر ہو۔ بعض روایات میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھی عرض کیا گیا کہ بادشاہوں کی بیگمات اور قیصر و کسریٰ کی بیگمات تو محلوں میں رہتی ہیں اور سینکڑوں کنیزیں اور خادمائیں اُن کی خدمت کے لیے ہوتی ہیں تو ہمارے ہاں کم از کم گزارا تو ہو، صبح و شام کا کھانا تو ہو لیکن یہ بات حضورِ اکرم ﷺ کو بہت ناگوار گزری۔ اللہ کریم نے بھی پسند نہیں فرمائی اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی بیگمات کے تذکرے سے حضور ﷺ بہت خفا ہوئے کہ میں کوئی قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہ تو نہیں ہوں، میں تو اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ تو اس پر اللہ کریم نے اس سوال کا جواب خود دیا کہ اگر آپؓ کو دنیا اور دولت چاہیے تو میرے نبی ﷺ کا دامن چھوڑ دیں۔ جتنی دولت، جتنی دنیا چاہیے وہ لے جائیں۔ اور اگر دامانِ نبوّت ﷺ سے وابستہ رہنا ہے تو یہاں دنیا کا کوئی کام نہیں۔ پھر یہی گزر بسر ہوگی اور اسی طرح زندگی گزارنی پڑے گی۔

میں نے پچھلے جمعہ بھی عرض کیا تھا کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ آیات پڑھ کر سنائیں کہ اللہ نے تمہیں اختیار دیا ہے، میرے ساتھ رہنا چاہو یا دنیا چاہیے تو الگ ہو جاؤ اور فرمایا، والدین سے مشورہ کرلو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس میں مشورے کی کیا بات ہے۔ بھلا ہم آپ ﷺ کا دامن کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ دنیا بڑی حسین سہی، دنیا بڑی لبھانے والی سہی، دنیا میں بڑے آرام سہی، لیکن آپ ﷺ کا دامن چھوڑ کر کچھ نہیں چاہیے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی یہ آیات مبارک سنائیں۔ سب نے یہی عرض کیا کہ ہمیں آپ ﷺ کے ساتھ رہنا ہے، ہمیں دنیا نہیں چاہیے، تو اللہ کریم نے اس بات کو بہت پسند فرمایا۔

جتنا کوئی قریب ہوتا ہے، جتنا کسی کا تعلق زیادہ ہوتا ہے اُتنی اُس کی ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے، تو فرمایا: تمہاری عظمتیں بے پناہ ہیں، تم کا شانۂ نبوّت کی مکین ہو، تمہارے گھروں میں محمد رسول اللہ ﷺ کا قیام ہے، تمہارے گھروں میں قرآن نازل ہوتا ہے، وحی نازل ہوتی ہے، اگر تم ہی غلطیاں کرنے لگو گی تو سُدھرے گا کون؟ اگر تم غلطی کرو گی تو تمہیں دوگنا عذاب ہے۔ دوسروں کی نسبت زیادہ عذاب دیا جائے گا، بڑھا دیا جائے گا اور اللہ کے لیے یہ کچھ مُشکل نہیں۔ لیکن جب سب نے طے کرلیا کہ ہمیں دامانِ نبوّت ﷺ کے ساتھ ہی رہنا ہے تو فرمایا: وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ (الاحزاب:31)۔۔۔ یہ تم نے جو فیصلہ کیا ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت گزار رہیں گی، دامانِ نبوّت ﷺ سے وابستہ رہیں گی۔ ہماری زندگی ہمارا جینا، ہمارا مرنا، ہماری موت، ہماری دنیا، ہماری آخرت، دامانِ رسالت ﷺ کے ساتھ ہے، تو اللہ کریم کو یہ بات بہت پسند آئی اور فرمایا: تمہارے اعمال کا بدلہ بھی دوگنا دیا جائے گا، کئی گُنا بڑھا کر دیا جائے گا۔ نیکیوں کا اجر بھی بہت زیادہ دیا جائے گا۔

وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا (الاحزاب:31)۔۔۔ فرمایا: تم دنیا کی کیا تمنا کرتی ہو، یہ تو چند روزہ ہے۔ جو سوکھی روٹی کھاتا ہے اُس کا بھی رات دن بسر ہو جاتا ہے اور جو مرغن غذا کھاتا ہے اُس کا بھی رات دن بسر ہو جاتا ہے۔ دسترخوان کی نعمتوں کا پتا تو تب چلے گا جب حقیقی عالم میں آئیں گے۔ اور جنہوں نے اللہ اور اللہ کے نبی (ﷺ) کی اطاعت نہیں کی جب گرفتارِ بلا ہوں گے تو کیا کھائیں گے؟ خون اور پیپ اور تھوہر اور دوزخ کی بلائیں۔ دوسری طرف جو اطاعتِ پیغمبر ﷺ سے بہرہ ور ہوں گے اور اُس سے سینے منور کر کے آئیں گے، کھانے تو اُن کو نصیب ہوں گے۔ کھانا، رہائش، اعلیٰ چیزیں ابدی زندگی میں نصیب ہوں تو بات ہے! یہاں تو لذیز کھانا کھائیں تو بندہ بیمار بھی ہو جاتا ہے۔ مرغن کھانا، کھانے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ وقت بسر کرنا ہے، جو حلال اور جائز

وسائل سے ملے الحمدللہ! کھانا پینا، رہائش اور نعمتیں آخرت میں ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ فرمایا: ہم نے وہاں آپ لوگوں کے لیے بہت عمدہ دعوتیں تیار کر رکھی ہیں۔ رِزۡقًا کَرِيمًا۔۔۔ ایسا رزق جس سے فائدہ ہی فائدہ ہو اور کوئی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، کسی طرح کا کوئی اندیشہ اُس غذا میں نہیں ہے اور اُس میں سلامتی ہی سلامتی ہے، لذت ہی لذت ہے۔

فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: 32)۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیبیو! تم دوسری عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تمہاری مثل جہان میں کوئی عورت نہیں ہے۔ کاشانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہونے کی وجہ سے تم خواتینِ عالم سے بہت بلند، بہت ارفع ہو۔ تم جیسی کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔ ہاں! اُس کے ساتھ تقویٰ کی یہ شرط ہے۔ اللہ کی طرف سے جو انبیاء اور رسول علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں وہ فطری طور پر، تخلیقی طور پر معصوم ہوتے ہیں۔ اُن سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔ لیکن نبی علیہ السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا، اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہم سب محفوظ ہیں۔ محفوظ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ حفاظت فرماتے ہیں۔ گناہ سے بچاتے ہیں لیکن اُن سے بھی غلطی ہونے کا امکان رہتا ہے۔ تو فرمایا: یہ عظمتیں، یہ بلندیاں کہ تمہارا ثانی کائنات میں کوئی نہیں، تم دنیا کی خواتین سے افضل ترین ہو کہ کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پہ مکین ہو۔ لیکن شرط یہ ساتھ چلتی ہے: اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ ۔۔۔ کہ تم ہمیشہ تقویٰ کا دامن تھامے رکھو۔ اللہ کے ساتھ تمہارا جو رشتہ ہے وہ بطفیلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بندگی کا، عبادت کا، اطاعت کا ہو۔ اُسے یہ حُسن وخوبی قائم رکھو۔ اس کا مطلب ہے ہمارے ہاں یہ جو تصور بن گیا کہ جو بے دین پاگل ہو یا بے نماز بھنگی چرسی ہو اُسے ولی اللہ بنادیتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ ولایتِ الٰہی کی شرط تقویٰ ہے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم سے فرمایا جارہا ہے کہ دنیا میں کوئی خاتون تمہاری ثانی نہیں ہے، تمہاری عظمتیں اس درجہ کی ہیں۔ اس کے باوجود شرط یہ ہے کہ یہی تقویٰ قائم رکھنے گا۔ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ ۔۔۔ تم اللہ سے تقویٰ قائم رکھو۔ یعنی کسی بھی درجے کا ولی۔۔۔ یہ تو ازواجِ مطہرات ہیں اور اللہ نے فرمایا تم جیسی کوئی خاتون دوسری دنیا میں نہیں ہے، ان کی عظمت کو تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی نہیں پہنچتے۔ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی یہ مائیں ہیں، اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہم ہیں۔ الحمدللہ! میں بھی یہ سعادت نصیب ہے کہ وہی اللہ کی بزرگ بندیاں اُمہات المؤمنین ہماری بھی مائیں ہیں۔ ولی کسی بھی مقام کو پہنچ جائے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کتنی عظمتوں کا حاملِ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہا کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ اُن سے فرمایا جارہا ہے اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ ۔۔۔ تمہارا مقام بہت بلند ہے، تم جیسی کوئی عورت دنیا میں نہیں ہے، لیکن تقویٰ شرط ہے اگر تم اُس پر قائم رہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر غیر نبی پر نبی علیہ السلام کا اتباع ہر حال میں لازم ہے۔ واقعی اگر کوئی ولی اللہ ہو، واقعی اگر بہت نیک ہو تو جہاں سے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے گا وہ سب نیکی ختم ہو جائے گی۔ نیکی بھی تو ایک عمارت ہے، اگر یہ عمارت ہے تو یہ کس زمین پر ہے؟ یہ اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر ہے۔ اگر نیچے سے زمین ہی کھینچ لی جائے تو عمارت کہاں کھڑی ہوگی؟ تو یہ تصور کہ فلاں تو بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں خواہ نماز ہی نہ ادا کرتے ہوں۔

ہم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوتے تھے تو وہاں لوگوں کے اپنے پیر صاحبان بھی آتے تھے، تو ایک پیر صاحب آئے ہوئے تھے جو نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ ان کے کوئی مرید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آگئے تو آپ نے پوچھا یہ تم نے کیسا پیر پکڑا ہوا ہے جو خود نماز نہیں پڑھتا، تمہیں کیا نیکی سکھائے گا؟ پیر تو نیکی سکھانے کے لیے ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا جی! وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ پانچوں نمازیں مکہ مکرمہ میں، حرم میں پڑھتے ہیں، یہاں نہیں پڑھتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا اُسے کہو صبح شام کھانا مکہ مکرمہ سے کھا کر آیا کرو۔ کھانا یہاں کھاتا ہے، نمازیں وہاں پڑھتا ہے، وہاں سے کھانا کھا کر کیوں نہیں آتا؟ تمہاری اس دال روٹی کی کیا ضرورت؟ وہاں تو بڑے اچھے اچھے کھانے، حرم کے باہر بڑے خوبصورت ہوٹل ہیں، اُسے کہو کھانا وہاں سے کھایا کرے۔

تو یہ اپنے آپ کو دھوکا دینے کی بات ہے، اطاعتِ الٰہی شرطِ اوّل ہے۔ سب بلندیاں، سب مراتب، سب مناصب اتباعِ رسالت ﷺ کی بدولت ہیں۔ وہی چھوٹ گیا تو زمین پیروں سے نکل گئی، پھر کسی نے کیا بچنا ہے؟

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ۔۔۔ ادب سکھایا جارہا ہے ازواجِ نبی ﷺ کو کہ اگر کسی سے بات کریں تو نرم لہجے میں نہ کریں۔ خاتون کی حُرمت جو ہے اُس میں اس کے بدن کا پردہ ہے، اُسی طرح اُس کی آواز کا بھی احترام ہے۔ حتیٰ کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہے اور اس میں پیچھے خواتین بھی شامل ہیں اور امام غلطی کر رہا ہے تو مرد ہو تو وہ لقمہ دیتا ہے، اگر کوئی لفظ اُس نے غلط پڑھا تو وہ لفظ دہرا دیتا ہے لیکن عورت کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام غلطی کر رہا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز پیدا کر کے امام کو مطلع کرے۔ اب تو ہمارے جیسے لوگ جاہل شمار ہوتے ہیں، غیر مہذب شمار ہوتے ہیں۔ اب تو لوگوں نے تالی بجانے سے شروع کیا اور طبلے سارنگی تک چلے گئے اور خواتین مزے سے گا رہی ہیں اور لوگ محظوظ ہو رہے ہیں۔ جو ذرا دیندار بنتی ہیں وہ نعت پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ دوپٹہ لپیٹ لیا تو۔۔۔ نعت پڑھی یا طبلے پر گا یا۔ وہ جو احترام تھا نسوانیت کا وہ ختم ہوا۔ خلافِ شریعت عمل پر کبھی نبی کریم ﷺ خوش نہیں ہوں گے، نہ اللہ کریم راضی ہوں گے۔ جس کام کی اجازت اللہ نے نہیں دی وہ نیک نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کا عورتوں کی اس مجلس میں بھی نعت پڑھنا مناسب نہیں ہے جس کی آواز مردوں تک پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ عورتوں کی مجلس میں پڑھ رہی ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ جب وہ ٹی وی پہ نشر ہو رہا ہے تو پھر عورتوں کی مجلس کہاں رہی؟ خودنمائی کا احساس ہے ہر بندے میں، خاص کر عورتوں میں۔ عورت کا چہرہ تو ہے ہی پردہ۔ تو جس چیز کا پردہ ہے اُس کی نمائش چہ معنی؟ سو فرمایا: ازواج النبی! تم جیسی خاتون دنیا میں کوئی نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اطاعتِ پیغمبر ﷺ پر قائم رہو ہمہ وقت۔ کوئی تم سے بات کرے، تمہارے مقامات بہت بلند ہیں لیکن اُس سے نرمی سے بات نہ کریں، بات کھردرے لہجے میں کریں۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ۔۔۔ کسی اجنبی سے بات ہو، یہ بڑا فاصلہ ہے۔ کوئی کاشانہ نبی ﷺ سے کوئی سوال کرتا ہے، کوئی روٹی مانگ لیتا ہے، کوئی حضور ﷺ کے بارے عرض کرتا ہے۔ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں یا نہیں۔ تو فرمایا: نرمی سے جواب نہ دو، سخت لہجے میں جواب دو، کسی مرد کا آپ ﷺ کی آواز پر ریجھنا یہ ناگوار ہے، یہ اللہ کو پسند نہیں۔ یہ لہٰذا سخت لہجے میں جواب دو۔ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ۔۔۔ آپ تو اللہ کی محبوب ہیں لیکن ہو سکتا ہے جو بات کرنا چاہتا ہے اُس کے دل میں مرض ہو، کوئی منافق ہو تو بات سختی سے کیجئے۔ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔۔۔ اور جو بات کریں وہ دستور کے مطابق ہو۔ اسلامی قواعد وضوابط کی حدود کے اندر ہو۔

اب یہاں سے اندازہ لگایئے کہ اُمہات المومنین ﷺ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ کوئی اجنبی دروازہ کھٹکھٹائے یا بات کرنا چاہے تو اجنبی سے سخت لہجے میں بات کریں کہ پتا نہیں وہ کیسا بندہ ہے؟ کون ہو؟ ہو سکتا ہے اُس کے دل میں مرض ہو، ہو سکتا ہے کوئی منافق ہو تو وہ نرمی محسوس نہ کرے۔ جو بات کریں معروف ہو یعنی شرعی حدود کے اندر ہو۔ اب یہاں سے اندازہ لگا لیں کہ کہاں بن ٹھن کر، سُر کے ساتھ گانا عورتوں کا اور کہاں اللہ کا یہ حکم کہ اجنبی مرد کوئی بات کرنا چاہے تو۔ یہی حکم فون پر گفتگو کے لیے بھی ہے کہ نرمی سے بات نہ کریں۔ سختی سے بات کریں۔ کسی کو تمہارے ساتھ تعلق بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خواتین کا یہ حق نہیں ہے۔ آج کل ہماری بیٹیاں، ہماری خواتین بن سنور کر ٹی وی پہ ناچ گانے میں شریک ہیں۔ جو بہت نیک ہیں وہ نعت خوانی میں لگی ہوئی ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے زبان کا پردہ نہ وہاں رہا نہ یہاں رہا۔ اور فرمایا: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔۔۔ گھروں میں رہیے، بلا ضرورت خاتون کا باہر نکلنا حرام ہے۔ ہاں جن کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے، طبیب کے پاس جانا ہے، ڈاکٹر کے پاس جانا ہے روزی کمانے کے لیے کاروبار کرنا ہے یا مزدوری یا کہیں دفتر کرنا ہے تو جب کوئی ضرورت ہو تو باہر نکلنا درست ہے۔ لیکن شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عورتیں جو کام بھی کرتی ہیں انہیں بھی یہ کھلی

اجازت نہیں ہے بلکہ انہیں اپنا پردہ بھی رکھنا ہوگا، مردوں سے بے تکلفی نہیں کرنی ہوگی، جو ساتھ کام کرتے ہیں اُن سے بھی بات سخت انداز میں کریں گی تا کہ کسی کا رجحان اُن کی طرف نہ ہو۔ اور اگر ضرورت نہ ہو، ضرورتیں گھر میں پوری ہوتی ہوں، تو باہر جانے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔۔۔ کہ زمانۂ قدیم کی جاہلیت کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ زمانۂ جاہلیت میں کیا ہوتا تھا؟ عورتیں بن ٹھن کر باہر نکلتی تھیں لوگوں کو اپنا حُسن و جمال دکھانے کے لیے، بھاری زیور پہن کر امیر خواتین باہر نکلتی تھیں اور ریشمی لباس پہن کر اپنی دولت کی دھاک بٹھانے کے لیے یعنی عورت سراپا نمائش بن کر باہر نکلتی تھی تا کہ لوگ اُس سے متاثر ہوں، کوئی اُس کے حسن سے متاثر ہو، کوئی اُس کے قد کاٹھ سے متاثر ہو، کوئی اُس کے زیورات سے متاثر ہو۔ قرآن نے حرام قرار دے دیا کہ خاتون کو لباس، زیور پہن کر نمائش کرنا حرام ہے۔ اب آج دیکھ لیں! ہم زمانۂ جاہلیت سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ فرمایا یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے۔ عورت کا حسن ہے اُس کے گھر میں، باہر اپنا پردہ قائم رکھے۔ گھر میں اچھا پہنے، اچھا کھائے، زیور پہنے، اُس کا حق ہے، بنے سنورے اُس کا حق ہے لیکن نمائش کے لیے نہیں۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ۔۔۔ صلوٰۃ قائم کرو، کتنا خوبصورت کام ہے۔ اللہ سے باتیں کرو۔ اللہ کے سجدے کرو۔ اللہ سے گزارشات کرو۔ اللہ سے انعامات مانگو۔ اللہ نے تمہارے گھر سے کائنات کو یہ انعام بخشا ہے کہ وہ لوگ اللہ کے لیے نماز ادا کریں تم بھی اللہ کے لیے نماز ادا کرو، اللہ سے ملاقاتیں کرو۔ اللہ تمہیں محبت کریں، پیار کریں، رحم کریں، معاف کریں۔ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ۔۔۔ اور اگر کچھ میسر ہو تو زکوٰۃ دیں یعنی اندازہ کریں۔ کاشانۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم یہ تھا کہ پوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک تریسٹھ برس میں، کبھی دو وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوا اور مہینوں آگ نہیں جلتی تھی۔ پکانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن نماز کے قیام کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم موجود ہے کہ اگر تمہارے پاس کبھی کچھ دولت آجائے تو زکوٰۃ ادا کرو۔ آپ اندازہ کیجئے اُنؓ کی عظمت کا، اُنؓ کے قربِ الٰہی کا، اُنؓ کے مقامات و مراتب کا، اُن کی دنیوی زندگی کا، جس میں پیسے کا تو نام ہی کوئی نہیں لیکن حکم ہے قائم کر، آپؓ کے پاس بھی چند سکے آجائیں جو نصاب زکوٰۃ کا پورا کرتے ہوں تو زکوٰۃ دیجئے۔ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔۔۔ اور کمالِ زندگی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ دنیوی زندگی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ بندے کی اطاعت کس معیار کی ہے، کہیں خلوص سے ہے، کہیں ضبطِ اوقات سے ہے، کہیں پابندی سے ہے اور دل کی کس گہرائی سے ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔۔۔ اللہ کریم یہ چاہتے ہیں، اللہ کریم کو یہ پسند ہے کہ کسی طرح کی کسی آلودگی کا کوئی شائبہ آپ رضی اللہ عنہم کے دامن پہ نہ آئے، اللہ کریم اس بات کو پسند فرماتے ہیں، اس بات پہ راضی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہم اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ہیں، آپؓ جیسا جہان میں نہ کوئی دوسرا ہے نہ ہونا چاہئے۔ اللہ کریم کو یہ پسند ہے کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ۔۔۔ ہر طرح کی آلودگی آپؓ کے دامن سے جُدا ہو۔ آپؓ کے دامن پہ کوئی ہلکا سا داغ بھی نہ ہو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! اللہ تمہیں ظاہراً باطناً ہر طرح سے مثالی طور پر پاک رکھنا چاہتا ہے۔ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔۔۔ مثالی طور پر تمہیں پاک رکھنا چاہتا ہے۔ اب یہ بہت عظیم مقام تھا۔ بہت بلند درجہ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اُس وقت حیات تھیں، باقی تین بیٹیوں کا وصال ہو چکا تھا۔ انہیں بلایا اُنؓ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بُلایا تو پانچوں کو اپنی چادر مبارک میں لے کر دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْلِ بَيْتِىْ (ابن جریر)۔۔۔ یا اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں، ان کو بھی اہلِ بیت میں ہی شامل فرما۔ اللہ کریم یہ جو بلند مقام آپ نے میرے گھر والوں کو عطا فرمایا ہے اس میں انہیں بھی شامل فرمالے۔ یہ خصوصی کرم تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ انہیں اپنے دامن میں لے کر دعا فرمائی کہ اللہ انہیں بھی میرے اہلِ بیت میں شامل فرمالے۔ یہ خصوصی

شفقت، خصوصی محبت اور خصوصی رحمت تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کو بھی اپنے دامن میں پناہ دی۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ۔۔۔ پرانی جہالت کی رسموں کے مطابق بن سنور کر باہر نہ نکلیں۔ تو اس آیت کو لے کر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج پر کیوں گئی تھیں؟ یہ حکم حج سے مانع نہیں ہے اور بعد میں عہدِ فاروقی میں باقی اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے بھی حج ادا کئے۔ حج کی اپنی شرائط ہیں کہ محرم ساتھ ہو، پردہ ہو، حدود و قیودِ حج کی اپنی ہیں۔ یہ آیت مانع ہے کہ عہدِ جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنی نمائش کے لیے باہر نہ نکلیں۔

آپ رضی اللہ عنہا حج پر تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایامِ حج میں مدینہ منورہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم رضی اللہ عنہ نے حالات کو سنبھالا لیکن اس وقت ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جنہیں مؤرخین اور مفسرین روافض کہتے ہیں۔ جب کمان سے تیر نکلتا ہے تو اُسے رافض کہتے ہیں اور اس طبقے نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اُنہیں روافض کہا گیا کہ یہ دین سے اس طرح نکل گئے ہیں جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ اس وقت مدینہ منورہ پر روافض کا غلبہ تھا۔ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اور اکثر لوگ حج پر گئے ہوئے تھے، پیچھے انہوں نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو کئی دن پیاسا رکھ کر شہید کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے حالات کو سنبھالا دیا کہ کوئی صورت قیامِ امن کی بنے اور فوجیوں کو جمع کر کے امن قائم کیا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے جب سنا آپ بھی بصرہ تشریف لے گئے۔ لیکن انہیں بھی انہوں نے بے بس کر رکھا تھا۔ یہاں بھی روافض نے مجبور کیا ورنہ انہیں رضی اللہ عنہ بصرہ جانے سے روکنے والوں میں حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ اسلامی افواج کا مرکز بصرہ میں تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں سے بصرہ تشریف لے گئیں۔ بصرہ میں جا کر بات شروع ہو گئی۔ جنگ نہیں ہوئی بات شروع ہو گئی کہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا کیا جائے؟ اس سارے مسئلے کا حل کیا ہے؟ اور جنہوں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے اُن کو کیسے گرفتار کیا جائے؟ کس کو سزا دی جائے؟ کس پر حد جاری کی جائے؟ معاملہ کیسے سرد کیا جائے؟ قوم کو یکجا کیسے کیا جائے؟ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ سحری کے وقت رافضیوں نے حملہ کر دیا اور اس نادانی میں، تاریکی میں آپس میں جنگ ہو گئی۔ بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس جنگ میں شامل ہی نہیں تھیں۔ جب جھڑپ ہو گئی، لوگ شہید ہو گئے تو پھر جو سمجھدار تھے اُنہوں نے مشورہ کیا یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کس کا کیا دھرا ہے؟ تو اللہ کا شکر کہ وہ جنگ تو ختم ہو گئی لیکن بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اُس میں شہید ہو گئے۔ اگر یہ جنگ تھی جسے جنگِ جمل کا نام دیا گیا ہے۔ اگر یہ جنگ تھی تو پھر جنگی قیدی کون بنے؟ مالِ غنیمت کس نے لیا؟ کس میں بانٹا گیا؟ کچھ بھی نہیں ہوا تو پھر جنگ نہیں، ایک دھوکا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو سانڈنی کی کونچیں کاٹی گئیں وہ اُس سواری میں تھیں ہی نہیں۔ یہ تو اچانک سحری کے وقت ایک طبقے یعنی رافضیوں نے حملہ کر دیا، اور یہی جنگ صفین میں بھی ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان مذاکرات چل رہے تھے کہ کسی کو حَکَم بنا کر فیصلہ کیا جائے تو وہی روافض کا گروہ جو تھا وہ حملہ آور ہو گیا اور دونوں لشکروں کو لڑا دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چہروں پر قرآن لٹکا لو کہ فیصلہ قرآن پر کریں گے، تلوار پر نہیں۔ تو پھر واقعی قرآن کے مطابق حَکَم بنا کر جب فیصلہ کیا گیا تو اسی گروہ نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور پھر خارجی کہلائے کہ ان کا تعلق دین سے بالکل ہی نہیں، یہ خارج ہو چکے ہیں۔ یہ تاریخ کی بھول بُھلیاں ہیں جسے اسلام دشمنوں نے توڑ مروڑ کر کچھ سے کچھ بنا دیا ہے اور ہماری مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اس معاملے میں کہتے ہیں جی ہم تو سادہ ہیں۔ جی بھئی! سادہ کیوں ہو؟ تم اپنے معاملے میں تو بڑے ہوشیار ہو۔ دین کے معاملے میں سارے سادہ ہو جاتے ہو، دنیا کے معاملے میں تو کوئی سادہ نہیں ملتا۔ ہر ایک کو پتا ہے یہ نفع ہے یہ نقصان ہے۔ یہاں جانا ہے یہاں نہیں جانا۔ جہاں دین کی بات آئے سادہ ہو جاتے

ہو۔ان سازشوں کو بے نقاب کیا جانا چاہئے۔مسلمان کے عقائد آئینے کی طرح صاف ہونے چاہئیں۔اُن پر کوئی گرد نہیں ہونی چاہئے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ۔ تمہارے جیسا گھر بھی کسی کا ہے؟ بظاہر وہ کچے جھونپڑے ہیں مٹی سے لیپے ہوئے، مٹی کے بنے ہوئے، پتھروں کے بنے ہوئے، اُن میں دروازے تک نہیں ہیں۔دروازے پر،اُن کی کھڑکی طاق پر پرانا کمبل یا کوئی پردہ لٹک رہا ہے۔بظاہر تو یہ ہے،لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہی گھروندوں میں قرآن اوراس کی آیات اتری ہیں،انہی گھروندوں میں وحی نازل ہوتی ہے۔وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ۔۔۔اللہ کے احکام،اُس کی آیات،اُس کا قرآن انہی کچے گھروندوں میں نازل ہوا ہے جن میں تم رہتی ہو۔اسے دہراؤ۔قرآن کو پڑھا کرو۔قرآن کو سمجھا کرو۔اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۔۔۔یقیناً اللہ بہت باریک بین ہے اور ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔کوئی ادنیٰ سا خیال کسی لمحے دل میں گزر جائے،اُس کے بارے اللہ کو ازل سے علم ہے کہ فلاں بندے کے دل میں فلاں وقت یہ خیال گزرے گا۔یہ نہیں کہ وہ خیال گزرتا ہے تو اللہ کو پتا چل جاتا ہے۔نہیں!تخلیقِ عالم سے پہلے اُسے پتا ہے۔ازل سے اُس کا علم ازلی ہے۔ابدی ہے۔اُس کا علم حاضر ہے۔ماضی یا مستقبل اُس میں نہیں ہے۔ہمہ وقت ہر چیز اُس کے اوپر حاضر ہے۔کوئی ادنیٰ سا شائبہ،خیال کا کسی کے قلب میں گزر جائے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔چہ جائیکہ تم کردار کی بات کرتے ہو،آوازوں کی بات کرتے ہو۔بات کرنے کی بات کرتے ہو،کام کاج کی بات کرتے ہو۔وہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز سے بھی باخبر ہے۔

سوچ سے لے کر گفتار تک،سوچنے سے لے کر اظہار تک ہر حال میں نیکی پر قائم رہنے کی ایک فطری ترتیب ہے،تو نیکی کا حصول اور اِس کا ذریعہ کیا ہے؟

فرمایا:اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (الاحزاب:35)۔۔۔سب سے پہلے نیکی کی بنیاد ہے دعوتِ اسلام کو قبول کرنا،تسلیم کرنا۔اللہ واحد ولاشریک ہے۔اللہ کا نبی ﷺ برحق ہے،اللہ کی کتاب برحق ہے۔ضروریاتِ دین کو ماننا،ماننے والے مرد ہوں یا عورت۔یہ جو ماننا ہے یہ جو ایمان لانا ہے،یہ کچھ آگے بڑھنے کا تقاضا کرتا ہے۔بندہ کسی سے کہتا ہے مجھے یہ پانی کا گلاس پکڑا دو۔وہ کہتا ہے جی مان لیا پکڑا دوں گا۔پکڑاتا نہیں۔بھئی آپ نے سنا،آپ نے مانا نہیں۔ماننے کا تقاضا ہے کہ گلاس پکڑا دو،یہی تقاضا ہم سے کلمہ کرتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب ہم نے مانا تو کیا مانا؟

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔۔۔ماننے کا اگلا درجہ ہے کہ اُسے ایمان کی حد تک لے جانا،ایمان ہوتا ہے یقین کی آخری حد۔ماننے میں ہو سکتا ہے ہم کسی کی بات مان لیتے ہیں لیکن دِل میں پھر کھٹ کھٹ سی ہوتی ہے،پتا نہیں یہ صحیح ہے یا نہیں ہے،یا پتا نہیں میرے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو گیا؟ یہ سارے خدشات بھی نکل جائیں،یقین ہو جائے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ ٹھیک ہے،جو میں نے مانا ہے وہ ٹھیک ہے،تو یہ ایمان بن جاتا ہے،یقین بن جاتا ہے۔اِسی کو ایمان کہتے ہیں۔وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔۔۔ایمان والے مرد،ایمان والی عورتیں یعنی ایمان کا تقاضا اتباع اور اطاعت ہے۔وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ ۔۔۔ایمان کا تقاضا ہے کہ احکامِ الٰہی اور شریعتِ پیغمبر ﷺ کی اطاعت کی جائے۔یہ کون سا ایمان ہے کہ ہم شریعت کی پرواہ نہیں کرتے اور ہم کہتے ہیں ہم مومن بھی ہیں،یہ ایمان نہیں ہے۔ایمان کا تقاضا ہے کہ جس بات کو مانا ہے اُس پر عمل کرو۔

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ۔۔۔عمل با شریعت صدق عطا کرتا ہے۔بندہ کھرا اور سچا ہو جاتا ہے۔جب اُس نے مانا بھی سچ ہے،عمل بھی سچ پر کرنا ہے،کھانا پینا بھی سچ ہے،بات کرنا بھی سچ ہے تو اُسے صدق نصیب ہو جاتا ہے۔وہ غلط بیانی یا دھوکا بازی نہیں کر سکتا اور جب راست بازی اور صدق پر آتا ہے،تو پھر دنیا کی بہت سی چیزیں ہیرا پھیری سے ملتی ہیں،کھرے پن سے نہیں ملتیں۔یہ دنیا کا عجیب قاعدہ ہے آپ سچی بات کہیں گے،سچے لوگ خوش ہوں گے،جو سچے نہیں ہیں

وہ ناراض ہوں گے۔ تو اکثریت جو ہوتی ہے وہ ہمیشہ اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو کھرے اور سچے نہیں ہوتے، تو ایک اکثریت آپ سے خفا رہے گی۔ اُس کے لیے کیا چاہیے فرمایا: وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ--- برداشت، صبر، اللہ کی اطاعت پہ جم کے کھڑا ہونا اِس یقین کے ساتھ کہ کوئی ناراض ہے یا نہیں، میرا اللہ میرا رسول ﷺ راضی ہے، میرے لیے کافی ہے۔ اس راستے میں تکلیف ہوگی، بھوک آ جائے گی، پیسہ نہیں ملے گا، گھر نہیں ہوگا۔ کچھ بھی ہو جائے اطاعتِ الٰہی سے باہر نہیں نکلوں گا۔ اسے صبر کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو رواج ہو گیا ہے کسی کا باپ مر گیا، بیٹا مر گیا اُس نے شور شرابا نہیں کیا، صبر کر لیا۔ صبر ہے اطاعتِ الٰہی پہ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا، رُک جانا، اُس سے باہر نہ نکلنا۔ مومن کہاں سے چلا؟ تسلیم سے چلا، ایمان پہ پہنچا، ایمان اطاعت پہ پہنچا، اطاعت صدق پہ پہنچی، صدق صبر پہ پہنچا۔ جسے صبر نصیب ہو جاتا ہے۔ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ--- وہ مرد ہو یا عورت اُس کا اللہ سے ایک عجیب رشتہ بن جاتا ہے۔ ہر حال میں، دن ہو یا رات، لوگوں میں ہو یا تنہائی میں، بیمار ہو یا صحت مند، کوئی ایسی بات کوئی ایسا کام، کوئی ایسا لفظ نہیں نکالنا چاہتا جس پر اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو، اسے کہتے ہیں خشیت۔ دل میں کیفیت آ جائے کہ ہر حال، ہر قیمت پر اللہ کریم کو راضی رکھنا ہے۔ کسی بات سے اللہ کو خفا نہ کر بیٹھوں، انہیں یہ خشوع نصیب ہو جاتا ہے۔

وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ --- جب یہ کیفیت نصیب ہوتی ہے تو بندہ دوسروں کی مدد کرنے لگ جاتا ہے۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہر بندہ ہماری مدد کرے لیکن جسے خشوع نصیب ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیے معاون بن جاتا ہے۔ جس قدر ہو سکے وہ خیرات کرتا ہے، تصدق کرتا ہے۔ خیرات صرف پیسے دینا نہیں ہوتا، کسی کو نیک مشورہ دینا بھی خیرات ہے۔ کسی کو برائی سے روکنا بھی بخشش ہے۔ کسی کی مفلسی میں اُسے مٹھی بھر جَو دے دینا بھی خیرات ہے، کسی طرح بھی دوسرے بندے کی مدد کرنا۔ یعنی جنہیں خشوع نصیب ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیے مدد کا سبب بن جاتے ہیں۔

وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ--- یہاں جو پہنچتے ہیں اُنہیں روزہ رکھنے کا مزہ آتا ہے۔ روزہ کیا ہے؟ ایک بشر میں فرشتوں جیسی صفات یعنی صفاتِ ملکوتی پیدا کرنا۔ کھانا نہ پینا، فرشتوں کی صفت ہے۔ ایک انسان، ایک مسلمان جب ایمان کے ساتھ روزہ رکھتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سمجھ کر اور اُن حدود کے مطابق کرتا ہے تو اوصافِ ملکوتی نصیب ہو جاتے ہیں۔ ایک معین وقت تک نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ خلافِ شریعت بات کرتا ہے، نہ غلط لفظ منہ سے نکالتا ہے، نہ جھوٹ بولتا ہے، نہ کسی کا حق مارتا ہے، یہ ساری پابندیاں اپنے پر عائد کر لیتا ہے۔ گویا اُس میں اوصافِ ملکوتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ کسی مرد کی وراثت نہیں ہے، نہ اس کا حصول عورتوں کے لیے ممنوع ہے۔ مردوں کو بھی یہ دولت نصیب ہو سکتی ہے، خواتین کو بھی نصیب ہو سکتی ہے۔

جب اس حد تک پابندی پر آ جاتے ہیں تو پھر یہ لوگ ہوتے ہیں وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ--- کہ جو اپنی آبرو کی حفاظت کر سکتے ہیں، ورنہ دنیا میں ہر بندے کی آبرو خطرے میں رہتی ہے۔ یہ منازل طے کر کے جو آتے ہیں، اُن میں اللہ کریم وہ قوت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی آبرو کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ آبرو کا ضائع کرنا صرف برائی کرنے میں نہیں ہے۔ بُرا سوچنا بھی آبرو کے خلاف ہے، بُری نظر سے دیکھنا بھی آبرو کو مجروح کر دیتا ہے، بدنما داغ پیدا کر دیتا ہے۔ تو فرمایا: یہاں پہنچ کر بندے کو یہ قوت ملتی ہے کہ حقیقی طور پر اپنی آبرو کی حفاظت کر سکے اور جب یہ سارے کام ہو جاتے ہیں تو اُسے انعام یہ ملتا ہے کہ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ--- کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا--- اللہ نے اُن کے لیے بخشش کے خزانے رکھے ہوئے ہیں اور بہت بڑا اجر جو تم سوچ بھی نہیں سکتے، اتنا بڑا انعام اور بدلہ اُن کے لیے رکھا ہوا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ فرمائیں

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

5 مئی 2015ء اور 18 مئی 2015ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سوال: ذکر شروع کرتے وقت تو ہر سانس کے ساتھ لفظ اللہ قلب میں اترتا ہے۔ خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ھو کی ضرب قلب کی گہرائیوں میں لگتی ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ "اللہ ھو" کی رفتار سانس کی رفتار سے بھی تیز ہو جاتی ہے اور اس پر کنٹرول نہیں رہتا۔ کیا کوشش کر کے اللہ ھو اور سانس سے جوڑنا چاہئے یا توجہ اس پر رہے کہ لفظ اللہ قلب میں جا رہا ہے اور ھو کی ضرب قلب پر لگ رہی ہے؟

جواب: اصل مقصد ذکرِ الٰہی ہے اور توجہ الی اللہ کا حصول ہے۔ ذکر سے قلب میں صفائی بھی آتی ہے اور برکات قبول کرنے کی استعداد بھی بڑھتی ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ (سورۃ الاحزاب: 41-42) رات دن ہمہ وقت ذکر کرتے رہو، اس لیے کہ اللہ وہ ہے کہ جو ہمہ وقت تم پر رحمت نازل فرماتا رہتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ (سورۃ الاحزاب: 43) يُصَلِّيْ۔۔۔ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو گی تو ہمہ وقت نزولِ رحمت من جانب اللہ ہر مومن پہ جاری رہتا ہے۔ کفر نے تو خود رحمت کا انقطاع کر دیا اور غضب کو دعوت دی۔ تو ایمان کا تو تقاضا یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی سے جڑا رہے، فرمایا: جب تم ایمان لاتے ہو۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا۔۔۔ سے خطاب فرمایا کہ یہ مومن کی فضیلت ہے کہ ہمہ وقت رحمتِ الٰہی اس پر برستی رہتی ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ۔۔۔ اور ہمہ وقت فرشتے اس پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورۃ الاحزاب: 43) تاکہ تمہیں دنیا کی تاریکیوں سے روشنی کی طرف، نور کی طرف، ہدایت کی طرف لے جائے۔ اس آیہ کریمہ نے جہاں ذکر کی تاکید فرمائی وہاں اُس کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ ذکر کا مقصد یہ ہوتا کہ رحمتِ الٰہی تو ہر مومن پر ہمہ وقت برسے گی، اب وہ قبول کتنی کرتا ہے، اس کے قلب میں استعداد کتنی ہے، وہ کتنی جذب کرتا ہے، اُس کے لیے اس آیہ کریمہ میں ذکرِ دوام کا حکم دیا گیا کہ ہمیشہ جاری رہے۔ دوسری آیہ کریمہ میں فرمایا گیا کہ: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (سورۃ الکہف: 24) دنیا میں رہتے ہوئے، دنیوی تفکرات دنیوی مصروفیات، کام کاج، اگر کبھی ذکر سے توجہ ہٹ جائے، بھول جاؤ۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔۔۔ پھر ذکر شروع کر دو یعنی اُس کا علاج بھی پھر کثرتِ ذکر ہی ہے۔ اور ذکر کا حاصل کیا ہے؟ وہ رحمتِ الٰہی اور انوارات و برکات جو نازل ہو رہی ہیں انہیں قبول بھی کیا جائے۔ دل پتھر نہ بن جائے، زرخیز کھیتی بنے۔ سو مقصد ذکرِ الٰہی ہے اور پوری توجہ اس پر رہنی چاہئے۔ سانس کے ساتھ تو علمائے حق نے، اہل اللہ نے جوڑ دیا کہ سانس تو ہمہ وقت لینی ہے تو اس کے ساتھ اللہ ھو کو جوڑ لے تاکہ ہمہ وقت "اللہ ھو" بھی چلتا رہے۔ لیکن جب بدن ذاکر ہو جاتا ہے، اس کا ہر سیل ذاکر ہو جاتا ہے تو پھر وہ سانس کی قید میں نہیں رہتا۔ ذکر اُس سے بھی تیز ہو جاتا ہے تو ذکر مقصود ہے، سانس کوئی مقصد نہیں ہے لہٰذا پوری توجہ ذکرِ الٰہی کی طرف رہے اور وہ برکاتِ الٰہی اور کیفیات کے

حصول کا سبب بنتا ہے۔ کیفیات یا ترقی کرتی رہتی ہیں یا ان میں کمی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک جگہ رکتی نہیں ہیں اور علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر کیفیات رک بھی جائیں مثلاً ایک جگہ کھڑی ہو جائیں، کمی نہ بھی ہو تو ترقی نہ کرنا بھی ایک نقصان ہے یعنی اگر بندہ ایک مراقبے پر رک جاتا ہے، آگے نہیں بڑھتا تو وہ آگے نہ بڑھنا بھی تو نقصان ہے۔

بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ صوفیوں نے منازل اور مقامات کی تعیین کر دی، مقامات کے نام رکھ دیئے، یہ نام قرآن وحدیث میں نہیں ملتے۔ یہ اعتراض ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو اس راہ سے آشنا ہی نہیں ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیۂ کریمہ یہ بتا رہی ہے کہ ہمہ وقت مومن پر نزولِ رحمت جاری رہتا ہے۔ اگر وہ مسلسل اور ذکرِ دوام کرتا رہے تو اُس کی قبولیت کی استعداد بھی بڑھتی رہتی ہے۔ تو جوں جوں استعداد بڑھتی ہے کیفیات میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اب انسانی تعلیم کے لیے اگر کسی نے منازل کے نام رکھ دیئے ہیں۔ تو ایسے ہی ہے جیسے حج کا حکم ہے کہ اگر استطاعت ہے تو حج پر پہنچو۔ اب کوئی یہ کہے کہ جی قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ہوائی اڈے پر جاؤ، ہوائی جہاز پر بیٹھو یا فلاں بندرگاہ پر اترو یا فلاں شہر سے گزرو، فلاں جگہ سے لو۔ اس کی ضرورت قرآن میں تو نہیں تھی۔ کوئی کہیں سے جاتا ہے کوئی کہیں سے جاتا ہے لیکن سب کے منازل ذرائع، ان کے نام، وہ جگہیں وہ سارے موجود ہیں۔ جب ذکرِ دوام کا حکم ہے اور کیفیات کے وصول کرنے کی بات ہے تو اہل تحقیق نے جو اس فن کے تھے انہوں نے اسی طرح ان کیفیات کو بطور منازل ان کے نام بھی رکھ دیئے ہیں تاکہ طالب کو سمجھ آتی رہے میں کہاں پہنچا ہوں کس راہ پہ جا رہا ہوں۔ تو یہ کوئی دین میں زیادتی یا غلط بات نہیں ہے۔ ذکرِ دوام کا حکم ہے حصول کیفیات کے لیے، اب ظاہر ہے انسانی تعلیم و تعلم کے لیے ان کیفیات کے کچھ مدارج، کچھ منازل، کچھ نام مقرر کیے جائیں گے تاکہ طالب کو یہ سمجھ آسکے کہ میں کن کیفیات میں گزر رہا ہوں اور کیفیات میں کیا اثرات ہوتے ہیں۔ کیا محسوس ہوتا ہے کیا سمجھ آتی ہے اور اس کا اثر انسانی یقین پر کیا پڑتا ہے، ایمان کتنا اس سے مضبوط ہوتا ہے یا کردار میں کتنی تبدیلی آتی ہے۔

سوال: تصوّف میں ایک جملہ اکثر بولا جاتا ہے کہ قریب رہنے والا کتا دور رہنے والے فرشتے سے بہتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ صحبت میں ایسا کیا اعجاز ہے اور کیونکر ہے؟

جواب: یہ فارسی کا ایک مقولہ ہے۔

سگِ حضوری بہ ازملکِ دوری

پتا نہیں کس نے کہا، کب سے چلا، کس انداز سے کہا گیا؟ لیکن مجھے تو اس میں یہ "سگ" کا لفظ سجتا نہیں ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ رہنے والا اگر زیادہ نیک نہ بھی ہو، بہت پارسا نہ بھی ہو تو اُس سے بہتر رہتا ہے جو بہت پارسا، نیک بھی ہو لیکن صحبت میں نہ ہو، دور رہتا ہو۔ مراد یہ ہے۔ صحبت میں کیا اثر ہوتا ہے؟ ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں باہر سورج ہے، مسجد میں بھی سورج کی روشنی ہے لیکن ہمیں اس کے باوجود کہ دن تو ہے، سورج تو چڑھا ہوا ہے، روشن ہے، واضح ہے لیکن یہاں ہمیں بتیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جب یہاں سے نکل کر بالکل سورج کے سامنے آجائیں تو براہِ راست روشنی لیں گے۔ اسی طرح آج پھر کسی وسیلے کی ضرورت ہے جو بارگاہِ رسالت ﷺ میں پہنچا دے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں جو بارگاہِ رسالت ﷺ میں پہنچا ایک نگاہ میں وہ صحابیؓ بن گیا۔ برکاتِ نبوّت ﷺ آج بھی اور قیامِ قیامت تک کے لیے ہے۔ روئے زمین کے کسی گوشے میں کوئی ہوگا، ایمان لائے گا۔ اتباع کرے گا تو برکاتِ رسالت ﷺ پاتا رہے گا لیکن صحابیؓ تو نہیں ہوسکتا۔ اس معاملے میں زیادہ شہرت حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے قصے کی ہے۔ وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے لیکن حضور ﷺ کے وصال کے بعد۔ غریب آدمی تھے، یمن کا شہر قرن تھا وہاں کے رہنے والے تھے۔ بہت غریب تھے، قبیلے کے لوگ انہیں اُونٹوں کے ساتھ بطور چرواہے کے بھیجا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے اس دنیا میں قیام کے دوران حاضر نہ ہوسکے لیکن عشق تھا نبی کریم ﷺ سے۔ بہت برکات سمیٹیں، یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

سے فرمایا کہ اگر اویس سے ملاقات ہو تو میرا سلام ان کو پہنچانا اور اسے کہنا کہ میری اُمت کے لیے دعا کرے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے لیکن وہ حیاتِ نبوی ﷺ میں جب آپ ﷺ اس دنیا میں تھے حاضر نہ ہوسکے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد بھی وہ مدینہ منورہ آئے، کچھ عرصہ رہے پھر کوفہ چلے گئے پھر کوفہ میں اُن کا وصال ہوا۔ اب تو لوگوں نے پچاس جگہ اُن کے روضے بنا رکھے ہیں اور ایک طرح لوگوں نے ان کی پوجا شروع کردی ہے، تو انہوں نے برکات حاصل کیں دور رہ کر۔ اگر بارگاہِ عالی ﷺ میں حاضر ہوتے تو ایک نگاہ میں صحابی بن جاتے لیکن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اُن کی ملاقات ہوئی تابعی ہیں صحابی نہیں ہیں۔ صحابی صرف صحبت سے بنتا ہے۔ برکات بے پناہ انہوں نے حاصل کیں۔

ہم بھی اپنے طریقے کو اویسیہ کہتے ہیں کہ دور رہ کر بھی روح سے فیض حاصل کرنا جو ہے اس نسبت کو نسبت اویسیہ کہتے ہیں۔ باقی جتنے سلاسل تصوف ہیں اُن میں یہ ہے کہ آپ شیخ کے پاس جاتے ہیں، ٹھہرتے ہیں، شیخ مراقبات کراتا ہے، جہاں تک آپ اسباق کرلیتے ہیں تو چلے جاتے ہیں تو وہیں تک رہتے ہیں۔ وہاں سے آگے چلنے کے لیے پھر سے صحبتِ شیخ میں آنا پڑتا ہے۔ اس نسبت میں یہ فرق ہے کہ ایک خاص مقام تک، بنیادی مراقبات تو صحبت میں ہی کرنے پڑتے ہیں لیکن جب عرشی منازل میں چلا جائے، پہلے عرش کی ابتداء میں بھی صوفی چلا جائے تو پھر وہ دنیا میں جہاں بھی رہے غائبانہ توجہ حاصل کرتا رہتا ہے، اس کی ترقی رُکتی نہیں، ہوتی رہتی ہے۔ تو یہ جو دور رہ کر روح سے روح کا فیض حاصل کرنا ہے اس نسبت کو یا اس طریقے سے فیض حاصل کرنے کو نسبت اویسیہ کہا گیا ہے۔ جس طرح انہوں نے دور رہ کر برکات حاصل کیں تو ظاہر ہے کہ جس طرح مکان میں بیٹھا ہوا دن کی روشنی میں ہے، رات تو نہیں ہے لیکن باہر جا کر سورج کے سامنے کھڑے ہونے والے کی کیفیات اور ہیں۔ اندر والے کی اور ہیں اور بارگاہِ عالی میں جو پہنچا وہ شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوا۔ جو ایمان لایا، اتباع کیا، عشق کیا، محبت کی اور رات دن اطاعتِ الٰہی میں، اتباعِ پیغمبر ﷺ میں مصروف رہا، برکات اس نے بھی لیں لیکن وہ صحابی نہ بن سکا۔ تو صحبت کا اور دوری کا یہ فرق ہے کہ صحبت میں چیز براہِ راست منعکس ہوتی ہے۔ دوری میں وہ کیفیت نہیں ہوتی۔ حصولِ فیض بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

اس جملے میں جو یہ سگ کا لفظ استعمال ہوا ہے مجھے یہ تو پسند نہیں ہے۔ سارے اللہ کے طالب ہیں، گنہگار کو بھی گنہگار تو کہا جاسکتا ہے لیکن سگ کہنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن کسی نے محاورتاً کہہ دیا، یار لوگوں نے اُسے اڑا لیا، ہر جگہ لکھ دیا، زبان زدِ عام ہوگیا۔

تو صحبت کا اعجاز اپنا ہے اور یہی اس کی دلیل ہے کہ جو صحبت میں نہیں پہنچا وہ صحابی نہیں بنا۔ شرفِ صحابیت کے لیے حضور ﷺ کی صحبت میں پہنچنا ضروری تھا۔ آپ ﷺ کی نگاہ پڑگئی صحابی بن گیا، آنے والے کی وجودِ عالی ﷺ پر نگاہ پڑگئی۔ صحابی ہوگیا۔ کچھ نظروں نظروں میں قلبِ اطہر ﷺ سے اس کے قلب میں برکات چلی گئیں جو نہیں پہنچ سکا وہ شاید پہنچے والے سے کردار میں زیادہ نیک ہو، مجاہدہ زیادہ کرتا ہو، محنت زیادہ کرتا ہو لیکن صحابی نہ بن سکا۔ تو یہ صحبت کا اعجاز ہے اور شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اسے اللہ کا احسان سمجھا جائے۔ اللہ کریم ہر چیز میں توازن رکھتے ہیں کائنات کا نظام جو ہے یہ توازن پر قائم ہے، کوئی چیز جو ذرا سی حد سے بڑھتی ہے تو آبادی کے بجائے بربادی ہوتی ہے۔ بارش ایک حد میں برستی ہے تو بہار آتی ہے، حد سے بڑھتی ہے تو سیلاب آجاتے ہیں۔ سورج کی دھوپ، تپش، گرمی ایک حد میں چیزوں کی روئیدگی کا سبب بنتی ہیں، حد سے بڑھ جائے تو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ہر چیز، دنیا کا سارا نظام اپنی حد کے اندر آبادی کا سبب بنتا ہے، حد سے گزر جائے تو تباہی کا سبب بنتا ہے۔ تو دنیا میں جب شیطنت پھیلتی ہے، برائی پھیلتی ہے، گناہ بڑھتے ہیں تو اللہ کریم برکات کا ذریعہ اور سبب بھی اتنا بڑھا دیتے ہیں تاکہ دنیا آباد رہے۔ جب نیکی ختم ہوجائے گی، برائی رہ جائے گی تو قیامت آجائے گی۔ تو یہ قیامِ دنیا کا سبب ہے کہ جہاں دنیا میں برائی بڑھتی ہے وہاں نیکی بھی بڑھتی ہے۔ برائی کرنے

والے لوگ اگر اربوں کی تعداد میں ہوں تو ایسے قلوب بھی پیدا فرمادیتا ہے جو سینکڑوں میں بھی ہوں تو اس توازن کو قائم رکھتے ہیں۔ اتنی برکات ان کے قلوب میں ہوتی ہیں کہ نظامِ دنیا غیر متوازن نہیں ہوتا، وہ قائم رہتا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ اس توازن کو قائم رکھنے کے لیے اللہ نے ہمیں توفیقِ ذکر دی ورنہ ہم اس قابل نہیں تھے کہ ان مراقبات کا اور ان منازل کا تذکرہ کرتے اور ان کیفیات پر بحث کرتے۔ جن لوگوں نے ان کیفیات پر بات کی ہے یا ان کا حوالہ دیا ہے یا اِن کو محسوس کیا ہے اُن کی زندگیاں پڑھیں تو مجاہدوں سے، عبادات سے نیکیوں سے پُر ہیں۔ ہم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم تو حلق حلق تک دنیاوی مصروفیات میں دھنسے ہوئے ہیں۔ ہم نہ بھی چاہیں تو ہمارے حلق تک حرام کی گرد پہنچتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا وقت آئے گا کہ جو حرام نہیں کھانا چاہے گا اس کے حلق میں بھی حرام کی گرد پہنچے گی۔ اب ہم میں سے جو کسی سے سود نہیں لیتا، کسی سے پیسے چھینتا نہیں، حلال ذرائع سے کماتا ہے لیکن ملکوں ملکوں کا نظام سودی ہے وہ جائے کہاں؟ ہم نے تو یہ جو جائے نماز خریدے ہیں ان کی بنانے والی فیکٹری بھی ساری سود پہ چل رہی ہے۔ جو سوت بنتا ہے وہ کارخانہ بھی سود پر چل رہا ہے۔ ایک ایک تار میں سود کا اثر ہے۔ جائے نماز میں بھی ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ حق ہے کہ جو نہیں چاہے گا اس کے حلق میں بھی سود کا غبار پہنچے گا۔ پھر ہمارا کردار، ہم تک پہنچنے والی تعلیمات، ہمیں بتانے والے لوگ، ہمارے راہنما، ہمارے رہبر کوئی عجیب سے حالات بن گئے ہیں، ہر طرف دھند ہی دھند ہے، کہر ہی کہر ہے۔ کوئی چیز کھل کر واضح سامنے نہیں آتی۔ اس کے باوجود اس کا احسان ہے کہ اس نے ذکر کی توفیق بخشی۔ تو جب بدی بڑھتی ہے تو روشنی کے لیے بھی بلب بڑھا دیئے جاتے ہیں، تو یہ اس کا احسان ہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کو بھی اُس نے اس کام کی توفیق دے دی۔ اس کے لیے فرصت دے دی، اس کے لیے ذوق پیدا کر دیا، اس کے لیے اسباب مہیا کر دیئے اور اس کے لیے مشائخ عطا کر دیئے۔ یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے، وہ کسی کو بھی چھن سکتا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں، میرا یہ خیال ہے کہ یہ فلاسفی نہ ہوتی تو ہم جیسے لوگوں کو کوئی ذکرِ الٰہی کے قریب بھی نہ آنے دیتا۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے یہ توفیق بخشی اور اس میں جو لمحہ شیخ کی صحبت میں بسر ہو جائے وہ شاید دور رہ کر عمر لگانے سے وہ ایک لمحہ قیمتی ہو، بہتر ہو، زیادہ حاصل کر سکیں۔

سوال: صحبتِ شیخ کے دوران دھیان سب سے زیادہ کس بات پر ہونا چاہئے؟

جواب: بڑی سادہ سی بات ہے جو بھی کام آپ دنیا کا کرتے ہیں تو آپ کا دھیان اُس کے نتیجے پر ہوتا ہے۔ کھیتی میں ہل چلاتے ہیں تو دھیان یہ ہوتا ہے کہ کیا یہ فصل دے گی؟ اس کا وتر کیسا ہے، اس میں سختی ہے یا نرمی ہے، ہل چلانے سے ٹھیک ہو رہی ہے یا خراب ہو رہی ہے؟ پودا لگاتے ہیں تو دھیان اس پہ ہوتا ہے کہ پھل کب دے گا، پھول کب آئیں گے؟ کوئی کام بھی کرتے ہیں تو پوری توجہ اس کے نتیجے پر ہوتی ہے کہ مجھے حاصل کیا ہوگا؟ تو صحبتِ شیخ بھی ایک عمل ہے، اس میں اِدھر اُدھر نہیں سوچنا چاہئے، اس میں دھیان یہ رکھنا چاہئے کہ میرا قلب کتنا متوجہ ہے، مجھے کتنی برکات نصیب ہو رہی ہیں اور کس قدر میرا قلب روشن ہوگا، کتنی برکات وصول کرلے گا۔ جو کام بھی آپ کرتے ہیں اس کا ایک نتیجہ، ایک مقصد، ایک غرض ہوتی ہے تو صحبتِ شیخ سے غرض حصولِ برکات ہے، تو بجائے اِدھر اُدھر کے خیالات میں جانے کے اور باتوں میں لگنے کے یہ دھیان رکھے کہ ان لحات سے میرے دل پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ میری کیفیات کتنی بڑھ رہی ہیں اور کس قدر روشنی نصیب ہو رہی ہے کیونکہ یہ ایک اصول ہے، قاعدہ ہے کہ کوئی کام بھی آپ کرتے ہیں تو توجہ اس کے نتیجے پر رہتی ہے کہ اس سے مجھے کیا حاصل ہوگا، تو چونکہ صحبت میں رہنا بجائے خود ایک فعل ہے جس کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ جیسے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ صحبت میں صحابہ بنے، تو یہ لحات غنیمت ہوتے ہیں، اور اُن کے اثرات اور نتائج پر توجہ رکھنی

چاہئے، اور زیادہ سے زیادہ حصولِ برکات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اللہ کریم توفیق دیں جو لمحات میسر ہو جائیں وہ غنیمت ہیں۔ اس دنیوی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اگرچہ ہم اُمیدیں بڑی لمبی رکھتے ہیں لیکن اس کا کوئی لمحہ بھی آخری لمحہ ثابت ہو سکتا ہے۔ تو ہر لمحہ توجہ رکھنی چاہئے اپنے دل پر، اپنی کیفیات پر، حصولِ برکات پر، یہی ایک نعمت ہے جو دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد بندے کے پاس رہ جاتی ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ''مُضْغَۃٌ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد گوشت کا لوتھڑا یعنی قلب ہے۔ جبکہ صوفیاء اس سے لطیفہ رُبانی مراد لیتے ہیں؟

جواب: حدیث شریف میں جو ارشاد ہوا ہے، اس سے مراد قلب ہے۔ لیکن قلب کیا ہے؟ قرآنِ کریم نے اِس کے لیے فواد کا لفظ استعمال کیا ہے، قلب کے انتہائی اندر ایک لطیفہ ربانی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جسم میں ایک لوتھڑا ہے۔ إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ـــ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے۔ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ـــ اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسد یعنی جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اور آگے ارشاد ہے۔ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ خوب غور سے سنو وہ لوتھڑا قلب ہے۔

آپ نے شروع سے ایک لفظ لے لیا تو سیاق و سباق کے بغیر جو بات ہوتی ہے تو اُس میں مفاہیم سمجھ نہیں آتے۔ اُسی حدیث شریف میں آگے ہے کہ أَلَا خوب توجہ سے سُنو، خوب غور سے سُنو أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ یہ لوتھڑا کیا ہے؟ قلب ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی وضاحت ہوگئی کہ یہ لوتھڑا قلب ہے۔ اور قلب جب قرآن مراد لیتا ہے (Pumping Machine) پمپنگ مشین کی بات نہیں کرتا جو خون پمپ کرتی ہے، اُس میں جو لطیفہ رُبانی ہے اُس کی بات کرتا ہے جیسے نزولِ قرآن کی بات ہوتی ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ عَلٰى قَلْبِكَ ـــ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ تو لطیفہ رُبانی اس پمپنگ مشین میں ہے۔ اُس کا سدھرنا پورے بدن کو سُدھار دیتا ہے۔ اُس کا خراب ہونا پورے بدن کو بگاڑ دیتا ہے۔ کیونکہ بدن میں قلب جو ہے وہ رئیس ہے، بادشاہ ہے، حکمران ہے۔ دماغ مادی ہے اور بدن کی مادی ضروریات کی تجویز کرنا، پھر انہیں پورا کرنا، ان کی خواہشات کو پورا کرنا، اس کے لیے اہتمام کرنا، اعضاء وجوارح کو کام پہ لگانا دماغ کا کام ہے۔ لیکن اُس میں بھی وہ قلب کا محتاج ہے۔ اگر آپ سمجھنا چاہیں تو اِس طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک آدمی شراب پیتا ہے۔ جائیدا د نیلام ہوگئی، گھر بک گیا، کاروبار ختم ہو گیا، اُجڑ گیا لیکن پیئے جا رہا ہے۔ تو کوئی اُس سے کہے کہ یہ کیا کاروبار شروع کر رکھا ہے؟ تباہ ہو گئے، برباد ہو گئے، کیوں کرتے ہو؟ کہتا ہے، جانتا ہوں بُری بات ہے۔ لیکن دل چاہتا ہے۔ لوگ جوئے میں اُجڑ جاتے ہیں۔ دماغ اُن کا بھی سمجھاتا ہے۔ دماغ کو پتا ہے کہ یہ غلط ہو رہا ہے۔ نقصان ہو رہا ہے تو پھر کیوں کرتے ہو، جب پتا ہے نقصان ہو رہا ہے؟ جواب یہی ہوتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایسا کروں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ دل کا جو حکم ہے وہ دماغ کو اچھا لگے، پسند آئے یا نہ آئے، اُسے تعمیلِ حکم کرنا پڑتا ہے چونکہ دل فطری طور پر اللہ نے بدن کا بادشاہ بنایا ہے۔ اور وہی اس حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بدن میں ایک لوتھڑا ہے۔ ہے تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہی۔ اگر وہ سُدھر جائے تو سارا بدن سدھر جائے۔ إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ـــ اگر دل کی اصلاح ہو جائے اور دل صحیح فیصلے کرے۔ دل اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف آ جائے، تو سارا بدن اطاعت میں لگ جاتا ہے۔ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ـــ اگر دل میں فساد آ جائے اور وہ نافرمانی کی طرف چل پڑے تو سارے اعضاء وجوارح اُدھر چل پڑتے ہیں۔ تو قلب جو بظاہر لوتھڑا ہے۔ یہ تو صرف خون پمپ کرنے کی ایک مشین ہے کہ خون بدن میں پمپ کرتا ہے، پھر وہ واپس آتا ہے جگر سے ہوتا ہوا، صاف ہوتا ہوا پھر قلب میں آتا ہے۔ قلب پھر پمپ کر دیتا ہے تو وہ گردش میں رکھتا ہے اور ماں کے پیٹ سے اس کی دھڑکن شروع ہوتی ہے لبِ گور تک جاتی ہے۔ ہزاروں سال جن کی زندگیاں تھیں،

اُن کے بھی دل ایک لمحے کے لیے بند نہیں ہوئے۔ اور جن کی سینکڑوں سال ہے اُن کے بھی۔ اور جن کی کم و بیش ہیں، شکم مادر سے دھڑکنا شروع کرتا ہے اور لبِ گور تک دھڑکتا جاتا ہے۔ تو اسی لیے اُس کی دھڑکن میں صوفیاء ذکر کو سموتے ہیں۔ زندگی میں ذکرِ کثیر جو کام کثرت سے بندہ کرتا ہے وہ ہے ہی دل کی دھڑکن۔ بیہوشی میں بھی چلتا رہتا ہے۔ نیند میں بھی چلتا رہتا ہے موت تک، جب یہ رُک جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے، زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ تو اُس پمپنگ مشین پر تو قرآن نازل نہیں ہوا۔ اُس میں ایک لطیفۂ رُبانی ہے جو فیصلہ کرتا ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ انسان اگر ایمان قبول نہیں کرتا تو وہ لطیفۂ رُبانی بند پڑا رہتا ہے۔ کھلتا ہی نہیں، اُس کا استعمال ہی نہیں ہوتا۔ ایمان اُس کی حیات ہے۔ ایمان لے آتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا زندہ آدمی سارے فیصلے کر سکتا ہے؟ ایک زندہ ہے وہ کھا پی نہیں سکتا، چل پھر نہیں سکتا، گونگا ہے بول نہیں سکتا، سُن نہیں سکتا لیکن زندہ تو ہے۔ زندہ کے ساتھ صحت مند ہونا ضروری ہے۔ زندہ ہے، سویا ہوا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا۔ زندہ بھی ہو، بیدار ہو، صحت مند ہو، کام کر سکتا ہو، تب جا کر بات بنتی ہے۔ اور ایمان اس کی زندگی ہے۔ اعمال و کردار اُس کی صحت کے ضامن ہیں۔ اُس کی غذا بھی ہے اُس کی دوا بھی ہے۔ اور اعمال و کردار میں جو جان پڑتی ہے، وہ برکاتِ نبوت ﷺ سے پڑتی ہے۔

فیوضیاتِ نبوّت ﷺ کے دو حصے ہیں۔ تعلیماتِ نبوّت اور برکاتِ نبوّت، تو تعلیمات خبر دیتی ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا، یہ حکم دیا ہے، یہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی کام کو نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اُس پر عمل اُن کیفیات سے ہوتا ہے جو دل میں ہوتی ہیں۔ عظمتِ رسالت، توحیدِ باری اور اِتباعِ رسالت ﷺ کا جذبہ، یہ کیفیات دل کی ہیں۔ اگر دل میں یہ کیفیات نہ ہوں تو ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، ترجمہ پڑھاتے ہیں، تفسیر پڑھاتے ہیں، خود نماز بھی نہیں پڑھتے، داڑھیاں بھی رکھی ہوئی ہیں، عالم بنے ہوئے ہیں۔ بظاہر علم ہے بھی اُن کے پاس لیکن کیفیات نہیں ہیں، برکات نہیں ہیں تو خود نمازوں کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ خود عمل نہیں کرتے۔ پروفیشن بن گیا ہے، دین پیشہ بن گیا ہے، وہ نبھائے جا رہے ہیں۔ تو جب تک کیفیات ساتھ نہ دیں، برکاتِ نبوّت ﷺ تک بندہ نہ پہنچے تو خلوصِ دل سے عمل نہیں ہو سکتا۔ تو وہی بات اسی حدیثِ پاک میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اللہ کریم اِس کی سمجھ شعور بھی دے اور یہ نصیب بھی کرے۔ یہ برکات سینہ بہ سینہ ہیں۔ یہ کتابوں میں، الفاظ و حروف میں، تقاریر و بیان میں نہیں ملتیں۔ چونکہ کیفیت محسوس کی جا سکتی ہے، بیان نہیں کی جا سکتی۔ سمجھنے کے لیے آسان سی بات ہے، ایک بندے کو سمجھاتے رہیں کہ غصہ یہ ہوتا ہے، غصہ وہ ہوتا ہے، غصے میں یہ ہوتا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آئے گی۔ ایک دن اسے غصہ دلائیں اُسے سمجھ آ جائے گی غصہ کیا ہوتا ہے۔ ایک بندے کو سمجھاتے رہیں خوشی میں یہ ہوتا ہے، خوشی میں وہ ہوتا ہے تو اُسے کیا خاک سمجھ آئے گی۔ پھر ایک دن اُسے کوئی خوشی دیں اُسے پتا چل جائے گا کہ خوشی کیا چیز ہے۔ کیونکہ خوشی ایک کیفیت ہے۔ غصہ ایک کیفیت ہے۔ تو اگر یہ کیفیات محسوس کی جا سکتی ہیں، بیان نہیں کی جا سکتیں تو دل کی کیفیات جو تعلق مع اللہ سے ہیں وہ کیسے بیان ہو سکتی ہیں؟ تو وہ جو برکاتِ نبوت ﷺ ہیں انہیں نسبت کہا گیا ہے۔ اور جو بزرگ تقسیم کر سکتے ہیں انہیں صاحبِ نسبت بزرگ کہتے ہیں۔ اور جو حاصل کرتے ہیں اُن سے منسوب ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں میری فلاں سے نسبت ہے۔ تو یہ ایک وسیع شعبہ ہے۔ کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کہنے سننے سے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

سوال: تصرّف کیا ہے؟ کن لوگوں کے پاس ہوتا ہے؟ وہ اُس کا استعمال کس طرح سے کرتے ہیں؟

جواب: تصرّف ایک کیفیت ہے۔ دل کا اِک حال ہے۔ قربِ الٰہی کی ایک منزل ہے۔ کہ ایک بندہ دل میں آرزو کرتا ہے اور منجانب اللہ وہ کام ویسا ہو جاتا ہے۔ کام کرتے اللہ ہی ہیں آرزو اُس بندے کے دل سے نکلی، اللہ نے اُس کی خواہش پوری کر دی۔ نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے۔ صحابہ کرامؓ حاضر تھے۔ خدام بیٹھے تھے۔ تو کوئی شخص گزرا۔ اُس کا لباس بھی عامیانہ سا تھا۔ کہیں پھٹا ہوا

کہیں مرمت کیا ہوا۔ بال پریشان، مفلسی جھلک رہی تھی۔تو آپ ﷺ نے پوچھا حاضرین سے کہ یہ جو شخص جا رہا ہے اُس کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ تو عرب میں ایک محاورہ استعمال ہوتا تھا کہ جو بندہ بالکل ہی بیکار ہو، غریب ہو، بے کس ہو۔ کسی گنتی میں شمار نہ ہو تو وہ کہتے ہیں! اسے تو کوئی رشتہ بھی نہ دے۔ یہ ایک محاورہ ہے عرب کا۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اسے تو کوئی رشتہ بھی نہ دے۔ یعنی یہ بہت غریب بھی ہے، بے کس بھی ہے اور سمجھ دار بھی نہیں ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا لیکن اگر یہ اللہ کے بھروسے پہ کوئی بات کہہ دے تو اللہ اس کی بات پوری کر دیں گے۔اس کے دل سے کوئی آرزو نکلے تو اللہ کریم پوری کر دیں گے۔ یہ کوئی بات کہہ دے اللہ کی قسم سے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیں گے۔اُس طرح کے الفاظ ہیں مجھے صحیح الفاظ یاد نہیں جیسے حضور ﷺ نے فرمایا، میں مفہوم عرض کر رہا ہوں۔تو یہ تصرف ہے کہ اُس کے دل سے بات نکلی اور وہ پوری ہوگئی۔اب اُس کی بہترین مثال حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حضرت آصف بن برخیا کے عمل سے ملتی ہے کہ جب آپ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو بلقیس کا تخت یہاں لے آئے۔ ملکہ سبا کا تخت عام تخت نہیں تھا۔قرآنِ کریم میں بھی اُس کی تعریف کی گئی۔ اور ہُد ہُد نے جب آ کر اطلاع دی تو اس نے کہا کہ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ (سورۃ النمل:23)۔۔۔اس کے لیے بہت بڑا تخت ہے۔سونے چاندی کا بنا ہوا۔ ہیرے جواہرات لگے ہوئے۔ بڑا عجیب وغریب اور اندر اس کے دربار خاص میں تھا، قلعے تھے پھر مکان ومحلات تھے۔ کتنے؟ پتا نہیں کتنے کمروں کے اندر اُس کا دربار خاص تھا، اُس میں تھا۔تو وہ کوئی چار پائی تو نہیں تھی کہ دروازے سے نکل جاتی تخت تھا اور وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ (سورۃ النمل:23)۔۔۔بہت بڑا تخت تھا۔ پھر دوسرے ملک میں تھا۔تو آپؑ نے فرمایا کوئی اٹھا کر لے آئے۔ایک بہت بڑا طاقتور جن اُس نے عرض کی کہ حضرت مجھے اللہ نے قوت بھی دی ہے اور میں امین بھی ہوں، اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے، اس سے پہلے کہ آپ یہاں سے اٹھیں یعنی آپ کا دربار برخواست ہو میں تخت لے آؤں گا۔اور میں لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ (سورۃ النمل:39)۔۔۔ مجھے اللہ نے یہ طاقت بھی دی ہے یہ طاقت بھی رکھتا ہوں کہ لے آؤں اور میں امین بھی ہوں۔ پوری دیانت داری سے لے آؤں۔تو مفسرین حضرت آصف بن برخیا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی حضرت میں لے آتا ہوں۔آپ کے پلک جھپکنے، سے پہلے حاضر کر دیتا ہوں۔ يَرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (سورۃ النمل:40)۔۔۔اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے میں لے آتا ہوں۔اور وہ پل بھر میں لے آئے۔دیکھا تو وہ سامنے رکھا تھا۔ تو اسے تصرّف کہتے ہیں۔انہوں نے توجہ کی، اللہ سے آرزو کی، اللہ نے سامنے کر دی۔تو یہ تصوف میں بھی کام اللہ کا ہوتا ہے، آرزو اور خواہش دُعا بن جاتی ہے۔لیکن اُس بندے کو اللہ کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اُس کی آرزو کو اللہ پورا فرما دیتا ہے۔تو تصرف کن کے پاس ہوتا ہے؟ اب یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ہم سے تو افراد نہیں گنے جاتے۔کسی سے اللہ کا قلبی تعلق کتنا ہے، کیسا ہے؟ وہ جانے اس کا اللہ جانے! یہ معاملہ تو بندے اور اللہ کے درمیان ہے۔ بلکہ حقیقی علم اللہ کریم کو ہوتا ہے، بندے کا علم تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔حقیقتِ حال اللہ ہی جانتا ہے۔

تصرّف سے کرتے کیا ہیں؟ اُس سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ جو عامیانہ سا تصور ہے کہ جو چاہیں کر لیں۔نہیں! بندہ جتنا اللہ کے قریب جاتا ہے، اُتنا ہی اُس میں عاجزی اور اتنی اُس میں اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اتنا عجز اور اتنی ہی محتاجی بڑھتی جاتی ہے۔ اپنے کچھ نہ ہونے کا ادراک ہوتا چلا جاتا ہے تو اپنی مرضی نہیں کرتے۔ جن کو تصرّف حاصل ہوتا ہے، وہ میرے اور آپ کی نسبت زیادہ اللہ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بن جاتے ہیں، اور زیادہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ چیزیں منجانب اللہ معین ہوتی ہیں، ہوتی رہتی ہیں، کارساز اللہ کریم ہی ہیں۔ ہاں کسی کا صاحبِ تصرف ہونا اگر ہماری سمجھ میں آئے تو ہمارے لیے اس کا اعزاز واحترام بڑھ جاتا ہے کہ اللہ کا مقرب بندہ ہے۔ اور صرف احترام یا اعزاز کرنا مراد نہیں ہوتا، مقصد حصولِ برکات ہوتا ہے۔ پھر بندہ اُس سے منسلک ہو جائے، اُس سے برکات حاصل کرے، اُس سے کیفیات حاصل کرے تو اس کا حاصل یہ ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

رمضان کے حوالے سے

9 جولائی 2015ء

اعتکاف کا مقصد

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۠ ﴿۲۵۷﴾

(سورۃ البقرہ: 257)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

سب سے پہلے آپ سب کو خوش آمدید بھی اور مبارکباد بھی کہ اللہ کریم نے یہ ماہِ مبارک بخشا اور اس میں اعتکاف کی توفیق عطا فرمائی۔ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی سنتِ مؤکدہ ہے بستی میں سے، شہر میں سے، ایک بندہ بھی اعتکاف کر لے تو اُس بستی کو کفایت کرتا ہے، کوئی بھی نہ کرے تو ساری بستی تارکِ سنت شمار ہوتی ہے، سب کو گناہ ہوتا ہے۔ اعتکاف سے حاصل کیا ہے؟ کیوں اعتکاف کیا جاتا ہے، مقصد کیا ہے؟ رمضان بذاتِ خود مجاہدے کے لئے کافی ہے۔ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ الحمدللہ! جو بندہ ایمان ویقین کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا۔۔۔ ارشادِ رسالت پناہی ﷺ ہے کہ جس نے رمضان کا روزہ ایمان یعنی صحتِ عقیدہ سے رکھا۔ ایمان کہتے ہیں اُن باتوں پر اس طرح سے یقین جس طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائیں۔ وَّ اِحْتِسَابًا۔۔۔ احتساب ہوتا ہے کہ اپنی زندگی پر غور کرے، اُسے کیا کرنا چاہیے تھا اُس نے کیا کیا؟ کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں۔ اللہ سے توبہ کرے اور آئندہ اپنی اصلاح کر لے۔ تو یہ دو چیزیں جس کے روزے میں پائی گئیں، فرمایا: اُس کے اس روزے سے پہلے کے تمام گناہ اللہ کریم معاف فرما دیں گے۔ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ اَوْ كَمَا قَالَ رسول اللہ ﷺ۔۔۔ تو پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جو عشاء کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے اور فجر پھر جماعت سے پڑھ لیتا ہے وہ ''قائم اللیل'' شمار ہوتا ہے، گویا ساری رات نماز پڑھتا رہا۔ یوں اللہ کریم کی بے پناہ رعایتیں ہیں، آدمی سوچ نہیں سکتا کہ اُس کی رحمت کتنی وسیع ہے اور کس طرح معاف فرماتا ہے۔ تو رمضان خود بہت بڑی مشقت ہے۔ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانا پینا نہیں، کوئی غلط بات نہیں کرنی، کوئی غلط بات سننی نہیں، کوئی غلط کام کرنا نہیں، کسی غلط کام میں مشورہ نہیں دینا، کسی طرح سے کسی گناہ میں شریک نہیں ہونا۔ اپنی نگاہوں، کانوں زبان اعضاء وجوارح کی حفاظت کرنا ہے اور محض اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے۔

اللہ کریم کی طرف سے ہمہ وقت رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم میں ہماری کوتاہیوں، غلطیوں، گناہوں کی وجہ سے اُسے قبول کرنے کی استعداد نہیں رہتی۔ جب ہم غلطی کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، کوتاہی کرتے ہیں، سُستی کرتے ہیں تو قبول کرنے کی استعداد نہیں رہتی۔ رمضان المبارک بجائے خود بے پناہ برکات کا حامل ہے۔ نزولِ

قرآن کا مہینہ ہے۔ لیلۃ القدر کا مہینہ ہے۔ ان سب فضائل کے ساتھ انسان جب اللہ کی اطاعت کا پابند ہوجاتا ہے کہ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک بے شمار حلال چیزوں سے بھی رُک جاتا ہے محض اللہ کی رضا کے لیے، تو یہ نہ کھانا اور نہ پینا یہ اوصافِ ملکوتی ہیں۔ فرشتوں کی صفت ہے۔ کھانا پینا نہیں ہے، غلط کام نہیں کرنا، نافرمانی نہیں کرنی، تو انسان میں یہ اوصافِ ملکوتی اس لیے پیدا کی جاتی ہیں کہ جن رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے انہیں قبول کرنے کی استعداد اس میں آجائے۔ پھر اُس میں مزید انہیں توفیق عطا ہوتی ہے تو اعتکاف بھی کر لیتے ہیں تو نور علیٰ نور ہوجاتا ہے، بہت ستھرا ہوجاتا ہے، بہت صاف ہوجاتا ہے۔ اللہ کریم کا ارشادِ گرامی ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا --- یہ اتنی بڑی بات ہے کہ ہماری ساری عقل بھی خرچ ہوجائے تو ہم اس کی عظمت کا ادراک نہیں کرسکتے، اللہ کی طرف سے اعلان فرمایا جارہا ہے کہ جو بندہ ایمان لاتا ہے اللہ اُس کا دوست ہے۔ ہم نیک لوگوں پہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ اُن کا کردار، اُن کی برکات، اُن کی نیکیاں دیکھ کر ہمیں گمان ہوتا ہے اور یہ ہمارا گمان ہے اس کے ساتھ کوئی رسید نہیں ہے۔ پھر ہمارا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ اللہ کا دوست ہے یعنی دوستی بندے سے اللہ کی طرف ہے اور اس کی کوئی ہمارے پاس دلیل نہیں ہوتی، ہمارا گمان ہوتا ہے۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ اللہ کریم فرماتا ہے کہ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ دوستی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کریم خود اس کی شہادت دے رہے ہیں، خود ارشاد فرما رہے ہیں میں ایمان والوں کا دوست ہوں۔

ایمان کہتے ہیں دین کی اُن حقیقتوں کو جن کا ماننا ضروری ہے اُس طرح ماننا جس طرح نبی کریم ﷺ منواتے ہیں، ورنہ تو اللہ کا تصور تو ہر قوم میں اور ہمیشہ رہا ہے اور رہتا ہے اور رہے گا لیکن لوگ اپنی مرضی سے مانتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو تبلیغ کی اور لوگ گھبرائے اور مخالفت شروع ہوئی تو انہوں نے یہ طے کیا کہ ہم اکٹھے ہوکر رات کو حملہ کرکے صالح علیہ السلام کو خاندان سمیت تہ تیغ کردیتے ہیں اور پھر اُن کے ورثاء سے کہیں گے کہ ہمیں تو کوئی پتا نہیں کس نے کیا ہے؟ تو جب یہ طے کر رہے تھے تو انہوں نے کہا۔ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ --- اللہ کی قسم کھاؤ اس پہ کہ سب اس پہ قائم رہیں گے، یعنی فیصلہ کر رہے ہیں اللہ کے نبی کو خاندان سمیت قتل کرنے کا، اور اُس معاہدے پہ قسم بھی اللہ کی کھا رہے ہیں۔ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ --- اس کا مطلب ہے اللہ کو مانتے تھے وہ ایک ہے، وہ تین ہیں وہ پانچ ہیں۔ اُس کی کیا صفتیں ہیں؟ کیا اوصاف ہیں؟ کون کون اُن اوصاف میں شریک ہے؟ یہ اُن کے اپنے خیالات تھے اور حقیقی عقیدہ جو اللہ کے نبیؑ نے جب پیش کیا تو اُس کے درپے ہوگئے، تو یوں اللہ کو ماننا اس کا کوئی حاصل نہیں ہے کہ بندہ اپنی مرضی سے جیسا چاہے مانے۔ نہیں! اللہ کریم کو ویسا ماننا ہے جیسا اُس کی ذات، اُس کی شان ہے اور اس کا پتا چلتا ہے اللہ کے رسول ﷺ سے۔ تو جس کا عقیدہ ویسا ہے جیسا رسول ﷺ نے فرمایا، اللہ کریم فرماتا ہے میری دوستی اُسے حاصل ہے۔ میں اُس کا دوست ہوں۔ جب اللہ کریم ہمارے دوست ہیں تو ہمیں تو اُس دوستی کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ ہم دن بھر بڑی بے باکی سے بات کرتے ہیں، ہمیں کوئی خیال نہیں ہوتا کہ یہ بات بارگاہِ الٰہی میں ناپسندیدہ نہ ہو۔ ہم دن بھر ایسے کام کرتے ہیں، ہمیں ذرا احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ اللہ کے ہاں اُس کے غضب کا سبب نہ بن جائے، اُس کی ناراضگی کا سبب نہ ہو۔ ہمیں ادراک کیوں نہیں ہوتا؟ اس لیے نہیں ہوتا کہ ہم پر مادیت غالب ہے۔ بدن کے جو اوصاف ہیں یا مادے کی جو خصلتیں ہیں وہ غالب ہیں اور روحانیت، کیفیاتِ قلبی کمزور ہیں، ساتھ نہیں ہیں، وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ شیشے کے سامنے کوئی چیز آئے تو وہ اُس کے اندر اُتر جاتی ہے۔ اُس کے اندر اُس کی تصویر نظر آتی ہے۔ لیکن وہی شیشہ میلا ہوجائے تو تصویر مدھم ہوجاتی ہے۔ خراب ہوجائے تو بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ نظر نہیں آتی۔ تو اللہ کی ولایت تو وہی ہے۔ ہمارے دل میلے ہوجاتے ہیں یا خراب ہوجاتے ہیں تو ہمیں ادراک نہیں ہوتا۔

اللہ کریم نے اُس کے لیے دن میں اپنی پانچ ملاقاتیں رکھی ہیں، علی الصبح دن شروع ہونے سے پہلے، جیسے آنکھ کھلے میری بارگاہ میں حاضر

ہوجاؤ۔ مجھ سے باتیں کرو، مجھ سے مدد چاہو، مجھ سے ہدایت چاہو۔ اپنا تعلق تازہ کرلو۔ دوپہر ڈھلے تو پھر میری بارگاہ میں آجاؤ پھر ملاقات سے مشرف ہوجاؤ، پھر یادیں تازہ کرلو۔ دن ڈھلے تو عصر کو پھر حاضر ہوجاؤ۔ سورج ڈوبے تو تمہاری ملاقات پھر طے ہے۔ سونے سے پہلے پھر ملاقات کرلو۔ میری بارگاہ میں حاضر ہوجاؤ۔ ان نمازوں سے اللہ کریم کی کوئی مدد تو نہیں ہوتی۔ ان ملاقاتوں سے بندے کا دل صاف ہوتا ہے۔ بندے کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ میرا رشتہ ہے۔ اگر یہ ادراک نہ ہو تو پھر رسومات ہیں جو ہم کررہے ہیں۔ اب ان پر یہ مبارک مہینہ رمضان کا بھیج دیا کہ اور زیادہ صفائی ہو دل کی۔ دل اور زیادہ منور ہو، دل اور زیادہ برکات کو قبول کرنے کی استعداد پائے۔ پھر رمضان المبارک میں اعتکاف کی ایک نعمت عطا کردی کہ مزید پاکیزہ تر ہوجائے۔ اس سب کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں ولایت الٰہی کا احساس وادراک ہوجائے، ہمیں یہ یقین ہوجائے کہ مجھے اللہ کی ولایت حاصل ہے، اللہ میرا ولی ہے، میرا دوست ہے۔ اللہ مجھ پہ بہت مہربان ہے۔

اب دوستی ولایت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آپ دوست کی منشا کے خلاف نہیں جاتے۔ کئی بار ہم دنیوی نقصان برداشت کرتے ہیں۔ کئی بار ہمارے ساتھ جھگڑے ہوجاتے ہیں۔ کئی بار لڑائیاں ہوجاتی ہیں۔ ہم سب کچھ برداشت کرتے ہیں لیکن دوست کی رضا کے خلاف نہیں جاتے۔ وہ بات نبھاتے ہیں کہ فلاں سے میرا تعلق ہے، اُس کے ساتھ رہو۔ یہ معمولی سی بات ہے۔ روزانہ الیکشن ہوتے ہیں۔ ہر بندے نے اپنی پارٹی یا خاص لوگوں سے تعلق بنا رکھا ہے، کہتے ہیں ووٹ اُسی کو دینا ہے۔ آپس میں لڑتے ہیں، بھائی بھائیوں سے جدا ہوجاتے ہیں۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ سارے نقصان برداشت کرتے ہیں کہ نہیں! میرا تعلق اُدھر ہے، میں اُدھر ہی جاؤں گا۔ ایسا ہی ہوتا ہے نا؟ اگر اللہ کریم کے تعلق کا احساس ہو تو بندہ اُس کی مرضی کے خلاف کیسے کرسکتا ہے؟ پھر تو اُس کا بیٹھنا اُٹھنا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، لوگوں سے تعلقات، دوستی دشمنی، سب اُن حدود کے اندر آجائے گی جو اللہ کریم چاہتے ہیں اور یہی اسلام ہے۔ یہی مطلوب ہے، یہی مقصود ہے، اور جس کو نصیب ہوجائے تو وہ عظمت ہے اُس کی کہ اُسے اللہ کی ولایت حاصل ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور انہیں ادراک تک نہ ہوگا کہ کیا ہوا ہے؟ پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا جو اُن کے لیے پلک جھپکنے میں گزر جائے گا۔ لوگ تڑپ رہے ہوں گے، تکلیف میں ہوں گے، فریادیں کررہے ہوں گے، یہ سکون میں بیٹھے ہوں گے انہیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ کیا ہوا ہے کیا نہیں!

تو گویا جب ہم خطا کرتے ہیں تو ہم صرف خطا نہیں کرتے، ہمارا پہلا جرم تو یہ بنتا ہے کہ ہم ولایت الٰہی کو توڑتے ہیں۔ ایک آپ کا بیٹا ہے اور ایک گاؤں شہر کا کوئی عام لڑکا ہے۔ آپ کوئی بات کہتے ہیں وہ دوسرا لڑکا آپ کی بات نہیں مانتا۔ دکھ ہوتا ہے لیکن اتنا نہیں جتنا دکھ بیٹے کے انکار کرنے کا ہوتا ہے۔ آپ کا ایک رشتہ ہے، آپ اُس کے والد ہیں، آپ کو ایک اُمید ہوتی ہے، جب وہ بھی انکار کرتا ہے تو جو دُکھ ہوتا ہے وہ کتنا ہوتا ہے! والد بھی مخلوق ہے بیٹا بھی مخلوق ہے۔ مخلوق مخلوق کا تعلق ہے۔ اللہ خالق ہے، کریم ہے، عظیم ہے، اللہ جل شانہٗ کی دوستی توڑ کر جب اُس کی نافرمانی کی جاتی ہے تو دو گناہ بنتے ہیں، پہلا دوستی توڑنے کا اور دوسرا جرم کرنے کا۔ ہم یہ جو بات معمولی سمجھتے ہیں نا۔ فرصت ملی تو نماز پڑھ لی۔ نہیں ہے، تو آج مصروف ہیں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اس کا پہلا جرم تو یہ بنتا ہے کہ ہم نے ولایت الٰہی توڑی۔ اُس نے اپنے کرم سے ہمیں عطا کی تھی، ہم تو محض ایمان لائے۔ اُس نے ایمان بھی قبول فرمایا اور اپنی طرف سے ولایت بھی عطا کردی، تو ولایتِ عامہ ہر مومن کے لیے ہے۔ جو خوش نصیب ہوتے ہیں وہ اطاعتِ الٰہی کرتے ہیں۔ فرائض پورے کرتے ہیں، سُنن کا اہتمام کرتے ہیں، پھر نفل پر جم جاتے ہیں، اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اُس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کو یاد رکھتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، کثرت سے کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ قلب کو صاف کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ ولایت کا ادراک ہوتا جاتا ہے تو انہیں

ہم ولی اللہ کہتے ہیں کہ انہیں ولایتِ خاصہ حاصل ہوگئی۔ بہت قُرب پالیا انہوں نے، ورنہ ہر مومن ولی اللہ ہے اور اس کی شہادت اللہ دے رہے ہیں، فرمایا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ ایمان والوں کا دوست اللہ ہے۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ اللہ کی دوستی کی دلیل کیا ہے کہ ایمان والوں کا دوست اللہ ہے، تو اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا، اللہ انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے یعنی یہ گناہ چھوڑ کر نیکی کی طرف بڑھتے ہیں، ان کی زندگی سے گناہ نکلتے جاتے ہیں اور نیکیاں آتی جاتی ہیں۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ تاریکی سے روشنی کی طرف سفر شروع ہوجاتا ہے۔ بہت بڑا مقام ہے بندۂ مومن کا، اور پھر اُس نے پانچ ملاقاتیں پانچ نمازوں کی صورت میں رکھیں اُسی دوستی کو قائم رکھنے کے لیے۔ میں آپ علی الصبح آنکھ کھلتے ہی پہلا کام سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ اُس بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں، آپ کو پتا ہے سورج ڈھلنے پر پھر حاضر ہونا ہے تو یہ جو چھوٹا سا درمیان میں تین چار گھنٹے کا وقفہ ہے اُس میں کیا بندہ سوچے گا کہ اُس کی نافرمانی کرے؟ ابھی واپس جانا ہے درآنحالیکہ ہر حال سے وہ واقف ہے، ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے، ہمیں دیکھ رہا ہے تو پھر ظہر کو حاضر ہونا ہے تو عصر کو پھر جانا ہے، مغرب کو پھر جانا ہے عشاء کو پھر۔۔۔ تو درمیان میں جو چھوٹے چھوٹے وقفے ہیں اگر یہ ہماری نماز رسم نہ ہو، نماز ہو، تو یہ پھر ہمیں گناہ سے روک لیتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔۔۔ برائی بے حیائی سے روکنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چلو بہت بڑی منزل ہے، بہت بڑا مقام ہے، بہت بڑا اللہ کا احسان ہے لیکن سارے لوگ تو بڑے مقامات نہیں پالیتے۔ اللہ کی دوستی نہ بھی ملی تو نہ سہی، معافی دے دے تو کافی ہے۔

جن لوگوں کے پاس ولایتِ الٰہی نہیں رہتی کیا اُن کا بھی گزارا ہوجاتا ہے؟ فرمایا، نہیں! اُن کا گزارہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ۔۔۔ جو ولایتِ الٰہی سے محروم ہوتا ہے اُس کا ولی شیطان بن جاتا ہے، درمیان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ جو اللہ کی ولایت سے محروم ہوجاتا ہے یا ٹھکرا دیتا ہے، تو جو انکار کردیتے ہیں، جو ناشکری کرتے ہیں، جو ولایتِ الٰہی ٹھکرا دیتے ہیں پھر اُن کو شیطان کی ولایت نصیب ہوجاتی ہے۔ دو ہی طبقے ہیں مومن یا کافر، درمیان والے کو منافق کہتے ہیں۔ لیکن نفاق بھی کفر ہی کی ایک قسم ہے، بنیادی طور پر وہ بھی کافر ہی ہوجاتا ہے۔ دو طبقے ہیں دو پارٹیاں، دو گروپ، دو دھڑے۔ ہر مومن ولی اللہ ہے اور جس نے اللہ کی ولایت چھوڑ دی۔ اَوْلِيٰٓـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ۔۔۔ شیاطین اُس کے ولی بن جاتے ہیں۔ دوست بن جاتے ہیں۔ يُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔۔۔ جو ٹوٹی پھوٹی کوئی جو نیکیاں کرتا ہے اُن سے بھی اُسے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔۔۔ اور جن کی دوستی شیطان سے ہوجاتی ہے یہ دوزخ کے رہنے والے ہیں، آگ کے رہائشی ہیں۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔۔۔ اور اُس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

رمضان المبارک خود ایک بڑا مجاہدہ ہے، دِن بھر کا مجاہدہ، روزانہ کی عبادات ہیں۔ پھر رمضان المبارک بہت بڑا مجاہدہ ہے دل کو صاف کرنے کا، روحانیت کی جلا بخشنے کا، ولایتِ الٰہی کی استعداد پیدا کرنے کا۔ یہ ولایت کیا ہوتی ہے؟ دنیا میں ہماری بے شمار لوگوں سے دوستی ہے، والدین سے محبت ہے، بہن بھائیوں سے محبت ہے۔ معاشرے میں بے شمار ہمارے دوست ہیں، کبھی آپ نے دیکھا کہ یہ دوستی کیا ہوتی ہے؟ یہ ایک کیفیت ہے جو دل پہ وارد ہوتی ہے، یہ نہ لکھی جاسکتی ہے، نہ پڑھی جاسکتی ہے، نہ دیکھی جاسکتی ہے، نہ دکھائی جاسکتی ہے۔ ایک کیفیت ہے جو دل پہ وارد ہوجاتی ہے۔ اور جس کی دوستی دل میں آجاتی ہے پھر ہم اُس کی مخالفت نہیں کرسکتے۔ ولایتِ الٰہی کا، اللہ کی دوستی کا بھی اگر ادراک ہوجائے، اُس کی کیفیت دل پہ وارد ہوجائے تو پھر نافرمانی کرنے کو جی نہیں چاہتا، پھر آدمی مجبور ہوجاتا ہے، وہ کر نہیں سکتا۔ ہمارے سامنے ایک شخص ایک بات کرتا ہے وہ کوئی ناپسندیدہ بات کہتا ہے، بُری بات کہتا ہے ہمارے خلاف بات کہتا ہے ہمیں غصہ آجاتا ہے۔ کبھی اُس نے ایک جملہ ہی کہا ہم غصے میں آگ بگولہ ہوجاتے ہیں، مرنے مارنے پہ تل جاتے ہیں، تو یہ کیا ہوا؟ غصہ ایک کیفیت تھی نا؟ جب وہ بات کانوں سے اُتری تو ایک کیفیت دل پر وارد ہوگئی، ہم بڑے غصے

میں آ گئے۔ ایک بندہ ایک بات کرتا ہے ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ خوشی کیا ہے؟ ایک کیفیت ہے نا؟ جو دل پہ آ گئی یعنی ہر بات کا ایک اثر ہوتا ہے۔ ایک بندہ ایک خبر دیتا ہے، ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ یہ حیرت ایک کیفیت ہے نا جو دل پہ آ گئی۔ یعنی ہر بات کا ایک اثر ہوتا ہے جو اُن الفاظ سے ہمارے دل پہ وارد ہوئی۔ اگر بندہ ایک جملہ کہتا ہے تو اُس سے کیفیت وارد ہوتی ہے، تو جب رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے ہیں، اُس سے کیفیت کیوں غالب نہیں ہوتی؟ جب ہمیں کوئی خوبصورت جملہ لب ہائے مبارک رسول اللہ ﷺ سے نکلا ہوا ملے تو اُس کی کیفیت ہمارے دل پہ کیوں نہیں آتی؟ آنی چاہئے نا۔ جب اللہ کا کلام ذاتی ہے اُس کا کوئی جملہ ہم سنتے ہیں تو ہمارے دل پہ کیفیت آنی چاہئے نا۔ جب ہم جنت کے بارے سُنتے ہیں قرآنِ کریم سے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تو ہمارے دل میں مسرت آنی چاہئے، ہمیں جنت کی خوشبو محسوس ہونی چاہئے، ہمیں جنت کی کیفیت کا ادراک ہونا چاہئے۔ جب جہنم کی بات ہوتی ہے تو ہم پہ لرزہ طاری کیوں نہیں ہوتا؟ اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم نے مادی چیزوں کو غالب کر کے روحانی ادراکات کو کمزور کر دیا ہوتا ہے، دلوں پہ میل جم جاتا ہے، زنگ آ جاتا ہے، دنیا میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ صلوٰۃ جو روزانہ کی نمازیں بھی اسی مرض کا علاج ہیں کہ جتنا گرد و غبار دنیا کا دل پہ بیٹھے اُسے صاف کیا جائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا مجاہدہ فرمایا۔ فرماتے تھے پندرہ برس تو میں نے دن رات شیخ کے مزار پہ رہ کر صرف لطائف کئے ہیں پھر اُس کے بعد الگ رہ کر اپنے ذکر اذکار کرتے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ اُس میں مناظرے ہوتے تھے تو بارگاہِ رسالت ﷺ سے یہ ارشاد ہوا کہ آپ کے پاس علم ہے تو آپ میدان میں اُتریں، مناظروں میں جلسوں میں جب آنا جانا شروع ہوا تو فرماتے تھے کہ میں نے پھر شکایت کی مشائخ سے کہ لوگوں سے میل جول اور سفر اور مناظروں میں تو دل پہ بہت گرد جم جاتی ہے۔ بہت مصیبت بنتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جو بھی صفائی کرتا ہے اُس کے اپنے اوپر تو گرد پڑتی ہے لیکن اُس کا یہ علاج نہیں کہ صفائی کرنا چھوڑ دو، اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے اوپر اور زیادہ محنت کرو۔ گرد نہ جمنے دو۔ اپنا مجاہدہ اور بڑھا دیں۔

تو اللہ کریم نے یہ وسائل دیئے ہیں اور پھر بہت رعائتیں دی ہیں کہ رمضان المبارک کا ایک ایک لمحہ برسوں کی گرد کو اُڑا دیتا ہے، پھر اُس میں جمعۃ المبارک آ جاتے ہیں۔ پھر اُس میں اعتکاف آ جاتا ہے، پھر اعتکاف میں لیلۃ القدر آ جاتی ہے تو گویا حد ہو گئی صفائی کی، صفائی کے اہتمام کی۔ تو عجیب بات یہ ہے کہ ہم اس سارے سے گزر جاتے ہیں تو ہمیں کوئی پتا نہیں چلتا، کوئی فرق نہیں پڑتا، شاید اُس کی وجہ کہیں بنیادی رشتوں میں کوئی گڑ بڑ ہے، عقائد میں اگر کوئی بدعات آ جائیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ عقائد و نظریات میں رسومات آ جائیں تو مجاہدے فائدہ نہیں دیتے کیونکہ عقیدہ بنیاد ہے۔ ہوا میں عمارتیں تعمیر نہیں ہوتیں، بنیاد پر بنتی ہیں۔ تو عقیدے کو شفاف Clear ہونا چاہئے۔ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، بات ختم، نہ کوئی اُس جیسا ہے نہ ہو سکتا ہے، نہ تھا نہ ہوگا۔ حضرت محمد ﷺ اُس کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاءؑ ہیں امام الانبیاءؑ ہیں۔ کوئی نبی، نیا نبی آپ ﷺ کے بعد نہیں آئے گا، ساری انسانیت کے لیے منبع ہدایت آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ تو عقیدہ و نظریہ وہی ہو جو حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا۔ کردار وہی ہو جو حضور ﷺ کا تھا۔ اس کے باوجود ہم سے غلطی ہو جاتی ہے، اُس کا کیا علاج؟ فرمایا تم نے فجر ادا کی، غلطی ہو گئی غلطی کا احساس کرو، اللہ سے رجوع کرو گے۔ جب ظہر ادا کرو گے تو فجر اور ظہر کے درمیان جو غلطی ہوئی ہے وہ صاف ہو جائے گی۔ معاف کر دی جائے گی دُھل جائے گی۔ اسی طرح ظہر و عصر، عصر و مغرب، مغرب و عشاء کے درمیان اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اگلی صلوٰۃ اُسے معاف کرنے کا سبب بن جائے گی۔ بشرطیکہ عقیدہ درست ہو۔ ایمان درست ہو۔

یہ سب کرنے کے بعد جن بندوں پہ اثر نہیں ہوتا اُنہیں سوچنا چاہئے کہ کہیں اُن کے عقیدے اور نظریے میں کوئی خرابی تو نہیں۔ پاور ہاؤس چلتا رہے آپ کے دل سے تار ہی نہیں جڑی ہوئی تو پھر اُس میں روشنی کہاں سے آئے گی۔ عقیدہ وہ تار ہے جو بارگاہِ الوہیت سے بندے کے دل کو جوڑتا ہے۔ وہ تار ہی نہ جُڑی ہو تو آپ مجاہدہ کرتے رہیں، کیا ہوگا؟ ان مجاہدات کا حاصل رضائے الٰہی ہے اور اُس کا ادراک

ہے اُن کیفیات کا، لیکن اگر مجاہدات سے مراد بھی حصول دنیا ہو تو ایسا بندہ تو بدترین مخلوق ہے کہ جو دنیا کے حصول کے لیے دین کو ذریعہ بناتا ہے۔ دنیا ایک ناکارہ چیز ہے۔ فرمایا گیا آپ ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی دنیا کی قیمت اللہ کی بارگاہ میں ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ دنیا کی کوئی قیمت نہیں، یہ تو کافروں کے در پہ، فرعون، نمرود، ہامان کے در پہ دھکے کھاتی پھرتی ہے۔ شداد کے پاس بے شمار تھی۔ قارون کے پاس بے حساب تھی۔ آج دیکھ لو کفار کے پاس، بلکہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کو امتحان سے بچایا، اگر یہ نہ ہوتا کہ لالچ میں نہ مارے جائیں تو میں کافروں کے مکان سونے چاندی کے اور اُن کے دروازے اور ان کی کرسیاں اور تخت سونے چاندی کے بناتا۔ ان بے چاروں کے پاس یہ چند روزہ زندگی ہی ہے، آخر تو جہنم ہی جہنم ہے۔ تو یہاں تو میں انہیں موج کراتا ۔ یہ تو میں نے مومنوں پہ احسان کیا ہے۔ تو دنیا کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے اور اُس نے دنیا سے منع نہیں کیا۔ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی گاڑی، اچھے گھر سے روکا نہیں، طریقہ بتایا ہے کہ جائز، حلال وسائل سے رزق حاصل کرو اور جتنا ہے اُسے انجوائے کرو، اللہ کا شکر ادا کرو لیکن گھبرا کر دوسروں کا حق نہ چھینو، غلط ذرائع سے جمع نہ کرو، یہ تمہیں تباہ کردے گا۔ تو اللہ کریم ہمیں یہ ادراک عطا کردیں، ہمیں احساس ہو جائے کہ ہمارا اللہ کے ساتھ دوستی کا رشتہ ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ ہم دعویٰ کرتے رہیں اس کی حیثیت کوئی نہیں، یہ تو وہ اعلان فرمارہا ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ اللہ ہر مومن کا دوست ہے، اسے ولایتِ الٰہی حاصل ہے۔ اللہ کرے کہ رمضان کی برکتوں اور مجاہدوں سے ہمیں اس کا ادراک ہو جائے اور پھر ہم میں یہ قوت آجائے کہ ہم اس رشتے کو میلا نہ ہونے دیں۔ اس پر آنچ نہ آنے دیں اس کی کوئی تار ٹوٹنے نہ دیں، تو یہ ہمارے رمضان المبارک کا بھی، ہمارے اعتکاف کا بھی حاصل ہے۔ اگر یہ چیزیں نصیب نہ ہوں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی بھوکا پیاسا رہے یا کھاتا پیتا رہے، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رمضان اس لئے نہیں ہے کہ اللہ کا راشن بچ جائے بلکہ رمضان المبارک میں تو لوگوں کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں، لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔ بے شک دن کو روزہ رکھیں لیکن ایک غریب آدمی کا بجٹ بھی اچھا بھلا بھاری ہو جاتا ہے۔ امراء کے تو بہت بھاری ہو جاتے ہیں سحری افطاری۔ بچت مقصد نہیں ہے، مقصد دِلوں کو جلا بخشنا ہے، ادراک ہے، وہ شعور ہے وہ آگہی ہے جو ولایت الٰہی کی لذت کو پالے، ہمارا دل محسوس کرلے کہ اللہ کی میرے ساتھ دوستی ہے۔ وہ خالق ہے وہ مالک ہے وہ واحد ہے، وہ لاشریک ہے، میں ایک حقیر سی مخلوق ہوں لیکن مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی میرے ساتھ دوستی ہے۔ اس کا پتا چل جائے، احساس ہو جائے اور پھر اب باقی زندگی بندہ اس دوستی کو پال کر گزارے تو اُس کا رمضان بھی قبول ہوا اُس کا اعتکاف بھی مقبول ہوا۔ تو اللہ کریم ہمیں شعور بھی دے، سمجھ بھی دے۔ اور ہماری اِن عاجزانہ کوششوں کو قبول فرمائے۔ وہ قادر ہے کہ ہم نے اگر نیکوں کی نقل میں روزہ رکھ لیا تو قبول فرما کر ہمیں بھی نیک بنادے تو وہ قادر ہے۔ ہم نے اگر نیکوں کی پیروی میں اعتکاف بیٹھنے کی نقل کی ہے تو قبول کرلے تو وہ اصل بن جائے گی اور ہمیں وہ نتائج عطا کردے جو اعتکاف کے ہونے چاہئیں۔ تو میرے بھائی یہ کوئی تقریروں یا بیانات یا باتوں کا وقت نہیں ہے، احساس کو زندہ کرنے کی بات ہے۔ اللہ کریم نے توفیق بخشی پھر ایک سال کا وقفہ ہے، یہاں پل کا اعتبار نہیں، سال میں کیا ہوگا؟ کیا نہیں ہوگا، کون ہوگا، کون نہیں ہوگا، کسے دوبارہ توفیق ہوگی، کس کو نہیں ہوگی؟ کئی ایسے ہوں گے، جو ہوں گے توفیق نہیں ہوئی بیمار ہو جائیں گے، روزہ نہیں رکھ سکیں گے۔ کوئی دنیا سے چلے جائیں گے۔ کیا پتا کل کیا ہو؟ سوائے آج کو بنایئے، اللہ کریم قبول فرمائیں، سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں، دِلوں کو زندہ کریں اور اللہ کی دوستی کا مزہ اُٹھانے کی توفیق دیں۔ ہمارے دل اس بات کی گواہی دیں کہ مجھے اللہ کی ولایت حاصل ہے اور ہماری زندگی میں خوبصورت تبدیلیاں آجائیں۔ اللہ کریم اُس پر قائم رکھے، اس پر موت دے اور ایسے ہی لوگوں کے ساتھ حشر فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

خواتین کا صفحہ

حضرت سلمیٰ بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

۞ **نام ونسب:** حضرت سلمیٰؓ قبیلہ خشعم سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سلمیٰ بنتِ عمیس بن معبد، بن حارث، بن تیم، بن کعب، بن مالک بن قحافہ۔۔۔ بن خلف بن خشعم۔ ماں کا نام ہند (یا خولہ) بنتِ عوف تھا جو کہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔

۞ **قبولِ اسلام:** حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا شروع ہی میں اپنی بہن اسماء بنتِ عمیس کے ہمراہ اسلام سے مشرف ہوگئیں۔

۞ **الاخوات مومنات:** حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان کو ہر ایسے کام سے محفوظ رکھا جس سے غضبِ الٰہی اتر سکتا ہو۔ اپنی اس عالی ہمتی اور روشن علامتوں کے باعث آپ رضی اللہ عنہا کو ایسا ایمان نصیب ہوا جو سر بہ مہر ہے اور اس پر مہر نبی کریم ﷺ کے ان الفاظ نے لگائی "الاخوات مومنات" (یہ بہنیں مومنات ہیں)۔

(درالصحابہ 545)، (الاستیعاب، ج:4، ص:32)

اور یہ مومنہ ہمشیرات یہ ہیں:

نمبر 1: حضرت میمونہ بنتِ حارث جو کہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہیں اور ان کی ہمشیرہ ام الفضل بنتِ حارث زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب (گویا حضور ﷺ کی سالی بھی تھیں اور چچی بھی)۔

نمبر 2: حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس زوجہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت سلمیٰؓ بنتِ عمیس زوجہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

۞ **حضور ﷺ سے رشتہ:** حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کے ساتھ مضبوط اور قریبی رشتوں کا تعلق ہے۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو کہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں کی بیوی ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ (یا امامہ) بنتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

۞ **مکہ کی تکالیف اور ہجرتِ مدینہ:** مکہ کے حوادث اور قربانیاں حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہی پیش آئیں۔ مومنین کو اللہ کی راہ میں جن تکالیف سے گزرنا پڑا اُن کا بھی مشاہدہ کیا۔ ہجرت حبشہ میں ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی مومنین کی جماعت میں شامل تھے۔

جب حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو قریش چیخ اُٹھے۔ ابنِ اسحاقؒ فرماتے ہیں "جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو تب قریش نے جان لیا کہ اب محمد ﷺ باعزت ہوگئے اور محفوظ ہوگئے اور اب حمزہ رضی اللہ عنہ ان کی خوب حفاظت کریں گے۔" اس لیے کہ حضور ﷺ نہ صرف ان کے بھتیجے تھے بلکہ دونوں نے ابولہب کی باندی ثوبیہ کا دودھ بھی پیا تھا تو رضاعی بھائی بھی تھے۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت جری و بہادر اور بڑی دھاک والے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا:

فلا واللہ نسلمه لقوم ولما نقض فیھم بالسیوف
ونترك منھم قتلی بقاع علیھا الطیر کالورد العکوف...

(الروض الانف، ج:2، ص:50)

ترجمہ: پس اللہ کی قسم! ہم (نبی ﷺ) پر ایمان لائے قوم کے

خلاف اور جب ہم ان میں اپنی تلواروں سے فیصلہ کرتے ہیں تو ان کے مقتولوں کو میدان میں پڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان پر پرندے اس طرح چکر لگاتے ہیں جیسے گھاٹ کے ارد گرد ہجوم ہوتا ہے۔

مہاجرین کے قافلے مدینہ کی طرف چلنا شروع ہو گئے تو ان نفوس قدسی نے بھی مکہ کو خیر باد کہہ دیا اور حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ میں آن بسے۔

بدر و اُحد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے اور جب غزوہ احد کا دن آیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور وہ روزے کی حالت میں تھے۔ اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک نہیں دو تلواروں کے ساتھ بے پناہ جرأت مندی سے قتال میں مصروف تھے۔ اور زبان سے جاری تھا "انا اسد اللہ۔ انا اسد اللہ" میں اللہ کا شیر ہوں، میں اللہ کا شیر ہوں۔

دھوکے سے ان کو شہید کر دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت رنج پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہو گئے۔ تمام صحابہ کرام بھی صدمے سے دو چار ہوئے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے بے پناہ قوت اور کفار سے ڈھال تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی رفیقۂ حیات حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا بھی غم سے نڈھال تھیں مگر صبر جمیل کے ساتھ اللہ سے اجر کی اُمید وابستہ کئے ہوئے یہ صدمہ جھیل گئیں۔

۞ **دوسرا نکاح:** حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ایک صحابی شداد بن ھادیؓ کا نکاح ہوا۔ اور ان سے ایک فرزند عبداللہ بن ھادیؓ پیدا ہوئے۔ اور ان کے یہ فرزند بہت اچھے فقیہہ اور محدثِ فاضل ہوئے۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کا یہ فرزند بہت ہی خوبصورت رشتوں میں گندھا ہوا تھا۔ کیونکہ ان کے والد شداد جو کہ بنی ہاشم کی دوست جماعت والے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہم زلف ہیں تو عبداللہ بن ھادیؓ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے ماں شریک بھائی ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد ہوئے۔ اور جعفرؓ بن ابی طالب کی اولاد کے بھی خالہ کے بیٹے بنے۔

(طبقات، ج:8، ص:286، مصارف، ص:282، الاصابہ، ج:3، ص:6)

۞ **حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ (یا عمارہ) بنت حمزہ رضی اللہ عنہ:**

3 ہجری میں غزوہ احد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضرت امامہ رضی اللہ عنہا بنت حمزہؓ بہت کمسن تھیں۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ذیقعد 7 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور تین روز کے قیام کے بعد صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق مکہ سے واپس چلنے لگے تو حضرت امامہ جو کہ چھوٹی سی بچی تھیں "یا عم یا عم" کہتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑیں (ایک روایت میں یا اخی اخی یعنی بھائی بھائی کہہ رہی تھیں)۔ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی، خالہ زاد بھائی بھی تھے اور بھتیجے بھی، اس لحاظ سے ننھی امامہ رضی اللہ عنہا کے چچا بھی ہوئے اور بھائی بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گود میں اُٹھالیا اور اپنے ساتھ لے جا کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو گود لے لیا۔ لیکن پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور جعفرؓ بن ابی طالب اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے اسے (پہلے) اُٹھایا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے (لہٰذا میں رکھوں گا)۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے بھی چچا کی بیٹی ہے اور میرے گھر اس کی خالہ (اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ عمیس) ہے (لہٰذا میں ہی رکھوں گا)۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے (کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (مہاجر) کے مابین مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا) تو اس کو میں رکھوں گا۔"

پھر اس معاملہ کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الخالۃ بمنزلۃ الام" (خالہ بمنزلہ ماں ہوتی ہے) تو اس طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے

حق میں فیصلہ ہو گیا۔

ننھی امامہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ میں اپنے باپ کی قبر کے متعلق سوال کیا تو یہ بات شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ تک پہنچی اور انہوں نے یہ اشعار کہے۔

تسئال عن قوم هجان سعید ع

لدی الناس مغوار الصباح جسور

"اے (بچی) تو سوال کرتی ہے ایسے سردار کے بارے میں جو شریف الاصل بہادر، لوگوں کے نزدیک صبح کو ہی (کافروں پر) غارت گری کرنے والے تھے۔

فقلت لما ان الشهارة راحة

ورضوان رب یا امام غفور

(طبقات، جلد 8، ص 140)

تو میں نے اس بچی سے کہا بے شک شہادت راحت ہے اور ایسے رب کی رضامندی ہے جو اے امام! (بچی کی کنیت) مغفرت کرنے والا ہے۔

جب حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سن بلوغت کو پہنچیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی فرمالیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔"

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی کفالت کے واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو اپنے چچا کی بیوی سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرے ان کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مدِنظر رکھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس، حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی بہن ہے اور خالہ ماں کی مثل ہوتی ہے۔ اور دوسرے اس بات کا ہمیشہ پاس رکھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

وفات: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی سے متعلق دیگر حالات و واقعات اور تاریخ وفات سے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ لہٰذا ہم اس صابرہ صحابیہ کے متعلق مزید کچھ گفتگو نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ وہ ان مومنات میں ہیں جو اللہ سے راضی ہوئیں اور جن سے اللہ راضی ہوا۔

رضی اللہ عنہا

اکرم التفاسیر، بقیہ صفحہ نمبر 24 سے آگے

بقیہ صفحہ نمبر 24 سے آگے

گویا تسلیم سے شروع ہوا، ایمان پر پہنچا، صداقت شعار ہوا، پھر صبر پر پہنچا، پھر خشوع نصیب ہوا، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا بنا، پھر روزہ دار بنا، مرد ہو یا عورت، پھر اُس کے بعد اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والا بنا۔ یہ سارا ایک تناور درخت جو بنا اُس پر پھل کیا لگا؟ اسے ذکرِ دوام نصیب ہو گیا۔ ہمہ وقت اللہ کا ذکر نصیب ہو گیا۔ ذکرِ قلبی نصیب ہو گیا۔ ذکرِ دائمی نصیب ہو گیا۔ ذکرِ کثیر نصیب ہو گیا۔ فرمایا: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۔۔۔ ذکرِ کثیر کیا ہے جس کا قرآن نے جگہ جگہ حکم دیا ہے؟ ذکرِ کثیر یہ ہے کہ جب بندے کے وجود کا ہر خلیہ (Cell) ذاکر ہو جائے۔ صرف زبان سے نہیں، صرف آنکھوں سے نہیں، صرف کانوں سے نہیں، صرف دل سے نہیں، وجود کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگ جائے اور ہمہ وقت ذکر کرتا رہے۔ اب جس بھی درخت پر جو پھل لگتا ہے اُس کا بیج بھی ہوتا ہے۔ صوفیاء نے صرف یہ کیا، اہلِ حق نے صرف یہ کیا کہ یہ جو ذکر کا پھل لگتا ہے اگر اسے لوگوں کے دِلوں میں بو دیا جائے اور اس کی آبیاری کی جائے اور شریعت کی پابندی کی جائے۔ حلال کھایا جائے، نماز روزہ کیا جائے، سچ بولا جائے اور اُس پر محنت کی جائے تو یہ سارے درجے پھر حاصل ہو سکتے ہیں، یعنی وہ جو پھل ہے جب اُسے بیج کی طرح بوئیں گے تو پھر وہی سارا درخت پیدا ہوگا اور پھر اُس پر بے شمار پھل لگیں گے جن سے اور لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تو جو لوگ ایک تناور درخت بن جاتے ہیں اُن پر بے شمار پھل لگتا ہے اور دوسرے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، انہی کو شیخ کہا جاتا ہے۔ سلاسلِ تصوّف میں مشائخ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے دلوں میں ذکر کا بیج بویا اور پھر بڑے تناور درخت بنے اور پھر اُن پر بہت سا پھل لگا اور بے شمار اللہ کے بندوں کو نصیب ہوا، اور اُن کے دل بھی ذاکر ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو تصوّف میں شیخ کہتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

بچوں کا صفحہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ع حسان، لاہور

حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کے بیٹے تھے۔ آپؓ کی پیدائش 600ء یا 601ء میں ہوئی۔ آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ حضرت علیؓ کی شادی نبیؐ اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی، حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو الحسن تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، خلفاء راشدین میں چوتھے نمبر پر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش نبیؐ اکرم ﷺ کے مبارک گھر پہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو طالب کثیر الاولاد تھے اور گھر کی آمدن بے حد محدود تھی۔ نبیؐ اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ چچا کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ نبیؐ اکرم ﷺ پر جب وحی مبارک کا نزول شروع ہوا تو اس کے کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے قریش کے چند بڑے بڑے سرداروں کو اپنے گھر کھانے پر مدعو فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس دعوت میں موجود تھے اور کھانا کھلانے میں گھر والوں کی مدد فرما رہے تھے۔ کھانے کے بعد نبیؐ اکرم ﷺ نے سرداران قریش کے سامنے اسلام کو اس کی خوبصورتیوں سمیت پیش کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ کی بات سن کر ابھی سب خاموش تھے کہ یہ دس بارہ سالہ بچہ اٹھا اور فرمایا کہ اگرچہ میں ابھی چھوٹا ہوں اور کمزوری سے میری ٹانگیں کانپتی ہیں لیکن میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔ اس موقع پر اُن رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ تاریخی جملے نکلے۔ اس طرح نابالغ بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے بچے تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک لقب حیدر کرار بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی غیر معمولی بہادری کی وجہ سے مشہور تھے۔ شجاعت اور بہادری کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہ صرف عربی گرائمر کے ایجاد کرنے والے بلکہ عربی گرائمر کو مناسب شکل دینے والے بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی تھا، سر بڑا اور قد مبارک درمیانہ تھا۔ آنکھیں بڑی اور بے حد چمکتی ہوئی تھیں جن میں ایک خاص رعب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک خوبصورت نوجوان تھے۔ آخری عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے بال آگے سے کم ہو چکے تھے۔ اپنے سفید بالوں پر آپ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی خضاب بھی استعمال فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک آخری عمر تک گھنی تھی۔

واقعہ ہجرت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکی زندگی کے بہت کم واقعات ملتے ہیں، وجہ یہ تھی کہ ہجرت کے وقت تک آپ رضی اللہ عنہ کی عمر بمشکل بیس بائیس سال تھی۔

جس رات حضور اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی اس رات حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم دیا کیونکہ حضور ﷺ کے پاس بہت سے لوگوں نے، جن میں کفار بھی شامل تھے، اپنی امانتیں رکھوائی ہوئی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کو اس وقت بھی ان امانتوں کا بے حد خیال تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اگلی صبح لوگوں کو اُن کی امانتیں واپس کر کے آپ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ ہجرت کر

آئیں۔ کفار کے خطرے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پہ بڑے آرام وسکون سے بسر کی۔ کفار کو صبح ہونے پر علم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف لے جا چکے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند دن مکہ شریف میں رُک کر لوگوں کو اُن کی امانتیں واپس کیں اور خود پیدل ہی مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چند دن کے سفر کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں زخمی تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گلے لگا لیا اور اُن کے پاؤں کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں تھوک مبارک لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر لگا دیا جس سے پاؤں فوری طور پر ٹھیک ہو گئے اور اس کے بعد شہید ہونے تک آپ رضی اللہ عنہ کو کبھی پاؤں کی تکلیف نہیں ہوئی۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے تین طرف ایک خندق کھودی گئی جو خوب گہری اور چوڑی تھی۔ کفار کا لشکر اس خندق کے پار آ کر ٹھہر گیا اور اُن کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اس خندق کو آرام سے پار نہیں کر سکتے۔ کفار کے لشکر میں ایک مشہور پہلوان جس کا نام عمرو بن عبدود تھا، بہت طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ یہ پہلوان ایسا طاقتور تھا کہ اسے ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ وہ ایک روز موقع پا کر اپنے گھوڑے سمیت چھلانگ لگا کر خندق کے پار آ گیا اور اس زعم میں کہ میں تو ایک ہزار سواروں کے برابر ہوں مسلمانوں کو للکارا کہ آؤ کون میرے مقابلے پر آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پہلوان کے مقابلے میں آئے۔ پہلوان انہیں عام نوجوان سمجھ کر شیخی بھری باتیں کرنے لگا لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ اس کے مقابلے میں خدا کے شیر ہیں۔ لڑائی شروع ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی وار میں اُس کو ڈھیر کر دیا۔ خندق کے پار سے کافر یہ لڑائی دیکھ رہے تھے جب انہوں نے اپنے سب سے طاقتور پہلوان کا یہ حال ہوتے دیکھا تو سب بے حوصلہ ہو گئے۔ پھر کسی نے یہ ہمت نہیں کی کہ خندق پار کر کے مسلمانوں کے علاقے میں آئے۔

دعائے مغفرت

1۔ لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی فیض اللہ صاحب

2۔ لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی فیض اللہ کی اہلیہ محترمہ

3۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد الطاف کی والدہ محترمہ

4۔ سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار قاری مشتاق صاحب

5۔ شاہدرہ، لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی محمد مشتاق کی والدہ محترمہ

6۔ سوہاوہ، جہلم سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار قربان حسین کی والدہ محترمہ

7۔ دینہ، جہلم سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد خان صاحب

8۔ چیچہ وطنی، ساہیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ملک مسعود احمد صاحب

9۔ شکردرہ، کوہاٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار رشید گل صاحب

10۔ کلرسیداں، راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی راجہ محمود الحسن صاحب

11۔ کوٹلی ستیاں، راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد امین ستی صاحب

12۔ منڈی بہاءالدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ملک افتخار احمد اعوان صاحب

وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سالانہ اجتماع 2016ء

دارالعرفان منارہ میں سالانہ اجتماع 23 جولائی 2016ء بروز ہفتہ سے شروع ہو کر 28 اگست 2016ء بروز اتوار کو اختتام پذیر ہو جائے گا۔ اس اجتماع کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ساتھیوں سے التماس ہے کہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، اس میں شرکت کریں۔ دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی دعوت دیں۔ تزکیۂ نفس کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اپنی اصلاح کریں اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو بہتر بنائیں۔

یاد رکھیں! تصوف اور سلوک کی تعلیم اس سے بہتر اور منظم انداز میں آپ کو کہیں میسر نہیں آئے گی۔

(منجانب، ادارہ المرشد)

پانچویں فصل

زکوٰۃ کا بیان

امام غزالیؒ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

(ترجمہ: مولانا فخرالدین احمد صدیقی)

زکوٰۃ کے اسرار کا بیان:

جس طرح نماز کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہے اور وہ حقیقت صورت کی روح ہوتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی بھی ایک صورت اور ایک روح ہے جو کوئی اسکی روح کو نہ پہچانے گا اس کی زکوٰۃ بھی بے روح ہوگی۔ زکوٰۃ میں تین راز ہیں:

پہلا یہ کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا حکم ہے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ نہ رکھتا ہو، بلکہ مسلمان اس بات کے مامور ہیں کہ کسی چیز کو اللہ سے زیادہ دوست اور عزیز نہ رکھیں۔

الغرض ایسا کون مسلمان ہے جو یہ دعویٰ نہ کرتا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ تو ہر دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ کوئی خالی دعویٰ میں مغرور نہ ہو۔ واضح بات ہے مال بھی آدمی کو محبوب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ انسان کو آزمایا اور فرمایا: اگر تو میری دوستی میں سچا ہے تو اپنی اس محبوب چیز کو مجھ پر فدا کر دے تا کہ میری دوستی میں تجھے اپنے درجہ اور صداقت کا علم ہو جائے۔ جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے اور معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے ان کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ صادقین کا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب قربان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسو درہم میں سے پانچ درہم کا خرچہ کرنا کیا؟ یہ تو کنجوسوں کا کام ہے ہم تو سب قربان کر دیں گے۔ جیسے امیر المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا مال لے آئے تو آپؐ نے پوچھا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت صدیقؓ نے عرض کیا فقط اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ اور بعض نے نصف مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جس طرح امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کہ انہوں نے نصف مال لا کر ڈھیر کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا جتنا یہاں لایا ہوں اُتنا ہی گھر چھوڑا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"تم دونوں کے درجات میں بھی ایسے ہی تفاوت ہے جیسے تمہارے کام میں تفاوت وفرق ہے"۔

دوسرا درجہ صالح حضرات کا ہے جنہوں نے اپنا مال ایک بار تو خرچ نہ کیا، اس کی انہیں قدرت نہ تھی لیکن اسے محفوظ رکھا اور فقراء کی حاجت کے سلسلہ میں خیرات کی ممکنہ صورتوں میں منتظر رہے اور اپنے آپ کو بھی فقیروں جیسا رکھا اور وقت زکوٰۃ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ جو محتاج اس کے پاس آیا اسے اپنے اہل وعیال کی طرح سمجھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کی۔

تیسرا درجہ ان افراد کا ہے جو دوسو درہم میں سے پانچ درہم ہی خرچ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے محض فرض کی ادائیگی کا لحاظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا اور اس کی ادائیگی کا جلدی سے اہتمام کیا اور زکوٰۃ دے کر بھی فقیروں پر احسان نہیں جتلایا۔ یہ آخری درجہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دوسو درہم میں سے جو پانچ درہم بھی نہیں دے سکتا اور وہ سب دوستوں میں بخیل ہے۔

دوسرا راز بخل کی نجاست سے اپنے دل کو پاک کرنا ہے۔ انسانی قلوب کے لیے بخل نجاست کی مانند ہے۔ جس طرح ظاہری نجاست

انسان کو نماز کی ادائیگی کے قابل نہیں چھوڑتی اسی طرح بخل کی نجاست دل کو حضورِ حق کے قرب کے قابل نہیں چھوڑتی۔ اور مال خرچ کیے بغیر آدمی کا دل نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے زکوٰۃ بخل کی ناپاکی کو دل سے دور کرتی ہے اور زکوٰۃ اس پانی کی مانند ہے جو ظاہری نجاست کو دور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ کا مال جناب رسول مقبولؐ اور آپ کے اہل وعیال پر حرام ہے اس لیے کہ ان کے پاکیزہ منصب کو لوگوں کے میل سے بچانا ضروری ہے۔

تیسرا راز شکر نعمت کا ہے اس لیے کہ مال دنیا اور آخرت میں مسلمان کی راحت کا سبب ہے۔ تو جس طرح نماز، روزہ اور حج بدن کی نعمت کے شکر کے طور پر ادا کیے جاتے ہیں اسی طرح زکوٰۃ مال کی نعمت کا شکر یہ ہے تاکہ آدمی اپنے آپ کو بے پرواہ ظاہر کر سکے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو جو اُس کی مانند ہیں، درماندہ وعاجز دیکھ کر یہ کہے کہ یہ بھی تو میری طرح خدا کا بندہ ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اس سے مستغنی اور بے پرواہ کیا اور اِسے میرا محتاج بنایا، تو مجھے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ یہ آزمائش ہو اور اگر خاطر مدارات میں کوتاہی ہوئی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا بنا دے اور اسے مجھ جیسا۔ ہر ایک پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کے یہ اسرار سمجھے تاکہ اس کی عبادت بے روح نہ رہ جائے۔

زکوٰۃ کے آداب:

جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اس کی عبادت مردہ اور بے روح نہ ہو اور ثواب دُگنا ملے تو اِسے چاہیے کہ ان سات چیزوں کا التزام کرے۔ پہلی یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل سے کام لے۔ واجب ہونے سے پہلے بھی سال میں کبھی کبھی دے دیا کرے۔ اس کے تین فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ عبادت کے شوق کا اثر ظاہر ہوگا کیونکہ ایک چیز جب واجب ہو جاتی ہے تو اُس کی ادائیگی لازم اور ضروری ہو جاتی ہے، نہ دیں تو عذاب کا خطرہ ہے۔ اس لیے اس پوزیشن میں کسی فرض کا بجالانے والا عذاب وسزا کے خوف سے بجالائے گا، محبت اور دوستی کا شائبہ اس میں نہیں ہوگا اور وہ آدمی بہت برا ہے جو ڈر کی وجہ سے ایک کام تو کرے لیکن محبت اور دوستی کا لحاظ نہ کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جلدی ادائیگی کی وجہ سے فقراء خوش ہوں گے اور خلوص دل کے ساتھ دعا کریں گے کیونکہ انہیں اس موقع پر جو خوشی ہوگی وہ ناگہانی ہوگی اور فقراء کی دعا اس کے حق میں بہت ساری آفتوں سے حصار بنے گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص دنیا کی آفات سے بے فکر ہو جائے گا کیونکہ تاخیر میں ہزار آفتیں پنہاں ہیں، ممکن ہے کوئی امر مانع ہو جائے اور آدمی اس خیر و نیکی سے محروم رہے۔ جب آدمی کے دل میں امر خیر کی رغبت پیدا ہو جائے تو اُسے غنیمت جانے کیونکہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے ہوتی ہے، اس کے بعد شیطان کے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک بزرگ کو بیت الخلا میں خیال آیا کہ اپنا پیرہن کسی فقیر کو دے دوں، فوراً مرید کو بلا کر پیرہن اسے دے دیا اور اسے اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ مرید نے پوچھا اتنی دیر صبر ہی کر لیا ہوتا، تو فرمایا: میں نے سوچا کہ مبادا دل میں کوئی خیال آجائے اور اِس امر سے محروم ہو جاؤں۔ دوسری بات یہ کہ اگر ایک ہی بار زکوٰۃ دینی ہو تو محرم کے مہینہ میں ادا کرے کیونکہ یہ مبارک مہینہ ہے اور سال کی ابتداء ہے یا پھر رمضان المبارک میں دے کیونکہ ادائیگی کا وقت جتنا محترم ہوگا اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جناب رسول مقبولؐ تمام مخلوق سے زیادہ سخی تھے۔ جو کچھ آپؐ کے پاس ہوتا اللہ کے لیے دے دیتے اور رمضان شریف میں تو کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے بلکہ سب راہِ خدا میں دے دیتے۔

تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ پوشیدہ طریقہ سے دے، اس کا اظہار درست نہیں تاکہ ریا اِس سے دور رہے، اس اخلاص کا ثواب حاصل کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کا باعث ہے اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی عرشِ الٰہی کے سایہ تلے ہوں گے' عادل بادشاہ اور دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔

تم نے دیکھا کہ ایک مخفی طور پر صدقہ دینے والا قیامت کے دن

عادل بادشاہ کے ساتھ ہوگا۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ جو صدقہ ظاہری طور پر ادا کیا جاتا ہے اسے ظاہری اعمال میں اور جو پوشیدہ دیا جاتا ہے اسے باطنی اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے بزرگ صدقہ کو چھپا کر ادا کرنے میں اتنے مبالغہ سے کام لیتے کہ کوئی تو اندھے فقیر کو تلاش کر کے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے اور زبان سے قطعاً نہ بولتے کہ وہ یہ بھی نہ جانے کہ کس نے دیا ہے، اور کوئی فقراء کی گزرگاہ پر پھینک دیتا اور کوئی اور ذریعہ اختیار کرتا حتیٰ کہ بعض سوئے ہوئے فقیروں کے کپڑوں میں اس طرح باندھ دیتے کہ اسے خبر تک نہ ہوتی۔ یہ سب باتیں اس لیے اختیار کی جاتیں تاکہ فقیر کو بھی معلوم نہ ہو۔ جب کہ دوسرے لوگوں سے پوچھنا تو لازم سمجھتے، وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی علانیہ صدقہ دے تو دل میں ریا پیدا ہوتی ہے۔ اگر بخل کا ازالہ ہوتا ہے تو ریا کا زیادہ اثر ہوتا ہے کیونکہ بخل ہو یا ریا یہ سب صفات مُہلک ہیں۔ بخل تو بچھو کی مانند ہے اور ریا سانپ کی مانند جو بچھو سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جب کوئی شخص بچھو سانپ کو کھلا دے گا تو سانپ کی قوت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک مُہلک سے تو بچ جاتا ہے لیکن دوسرے مُہلک سے، جو قوت میں پہلے سے زیادہ ہے اس کا واسطہ پڑ جاتا ہے۔ ان صفات خبیثہ کے اثرات جو دل پر ہوں گے وہی قبر میں انہی جانوروں کی مانند ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ علانیہ صدقہ کی ادائیگی کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر ریا سے اپنے آپ کو بالکل پاک کر چکا ہو اور اس کا بالکل اندیشہ نہ ہو اور یہ خیال کرے کہ میرے علانیہ صدقہ دینے سے لوگوں کو رغبت ہوگی اور لوگ میری اتباع کریں گے تو ایسے شخص کا علانیہ صدقہ دینا بہتر ہے لیکن ایسا آدمی وہ ہوتا ہے جس کے نزدیک تعریف اور مذمت کی حیثیت یکساں ہو اور تمام کاموں پر اللہ تعالیٰ کے جاننے پر اکتفا کرتا ہو۔ پانچویں بات یہ ہے کہ احسان جتلانا اور لوگوں کو بتلانا اس سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے ترش روئی سے پیش آئے یا ناک منہ چڑھائے یا اسے سخت کلمات سے کہے یا محتاج سمجھ کر اور سوال کرنے کی وجہ سے اسے ذلیل سمجھے اور حقارت کی نظر سے دیکھے۔ یہ باتیں جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہوتی ہیں، یا تو مال کا دینا ناگوار ہوتا ہے تو آدمی سٹپٹا کر سخت کلامی کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک درہم کے بدلے ہزار درہم لینے کو ناگوار سمجھنے والا جاہل اور نادان ہی ہے اس لیے کہ اگر زکوٰۃ ادا کرے گا تو جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرے گا اور اپنے آپ کو جہنم سے بچائے گا۔ اگر اس کا ان باتوں پر ایمان ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی کیوں ناگوار معلوم ہوگی؟ اور حماقت یہ ہے کہ تونگری کے پیش نظر آدمی اپنے آپ کو فقراء سے بہتر سمجھے حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جو اس کے مقابلہ میں پانچ سو برس پہلے جائے گا حقیقت میں وہ افضل ہے اور اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے اور اللہ کے نزدیک فخر اور بزرگی کا باعث فقر ہے، تونگری نہیں۔ دنیا میں فقر کے اشرف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دنیا اور دنیا کے مال میں مشغول نہیں کیا اور ان کے رنج و ملال سے اس کو بمتلا و معروف کر دیا ہے حالانکہ متمول آدمی کو دنیا سے وہی نصیب ہوتا ہے جو ضرورت ہوتی ہے (باقی تو دوسروں کا حق ہے) اور اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ ضرورت کے مطابق فقراء کو دے، تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے امیر کو فقیر کا بیگاری بنایا ہے۔ رہ گئی آخرت تو اس میں وہ امیر سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائے گا اور امیر اتنی ہی دیر منتظر رہے گا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ جس کو دیا اس پر احسان نہ رکھے، احسان کا باعث جہالت ہوتی ہے۔ احسان کی صورت یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں نے فقیر کے ساتھ اپنی ملکیت سے نیکی کی ہے اور اسے دولت سے نوازا ہے اس لیے اسے میرا محتاج اور زیردست رہنا چاہیے۔ ایسا سمجھنے والا اس بات کا امیدوار رہتا ہے کہ فقیر میری زیادہ خدمت کرے اور میرے کاموں میں مستعد رہے، سلام میں مجھے پہلے کرے اور میری زیادہ عزت کرے۔ اور اگر وہ فقیر اس کے حق میں کوتاہی کرے تو تعجب محسوس کرے حتیٰ کہ یہ کہنا کہ میں نے اس کے ساتھ نیکی کی ہے یہ سب

جہالت اور نادانی کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی تو فقیر نے کی اور احسان اس کا ہے جس نے صدقہ قبول کر کے جہنم سے اس کی خلاصی کا سامان کیا اور اس کے دل کو بخل کی نجاست و آلودگی سے پاک کیا۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مال کی موجودگی تو اس کے لیے ہلاکت و نجاست کا باعث ہوتی تھی۔ بیچارے فقیر کی وجہ سے تو اسے طہارت حاصل ہوئی اور نجات ملی۔ اس لیے دولت مند کو اس کا احسان مند ہونا چاہیے، نہ کہ اس کو احسان جتلانا چاہیے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ صدقہ پہلے تو اللہ کے دست رحمت میں جاتا ہے، پھر فقیر کے ہاتھ میں! تو جب حقیقت یہ ہے اور فقیر محض نائب ہے تو اس لیے بھی فقیر کا احسان مند ہونا چاہیے۔

آدمی اگر زکوٰۃ کے متعلق ان رازہائے سربستہ کو معلوم کر لے گا تو احسان جتلانا نادانی سمجھے گا کہ احسان جتلانا نادانی کی بات ہے۔ بزرگانِ سلفؒ نے احسان سے پرہیز کے معاملہ میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا اور فقراء کے سامنے عاجزی و فروتنی کا مظاہرہ کیا اور ان سے عرض و فریاد کی کہ اس مال کو قبول کر لیا جائے اور نذر کی طرح فقراء کے سامنے ہاتھ بڑھائے تاکہ وہ پیسے اٹھا لیں اور ان کے ہاتھ ہمارے ہاتھ سے نیچے نہ آنے پائیں۔

تو پھر احسان جتلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ و حضرت اُم سلمہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ جب کسی فقیر کے پاس کوئی چیز بھیجتیں تو لے جانے والے سے فرماتیں کہ جو فقیر دعا دے اس کو یاد رکھنا تاکہ اس کے بدلے ہم اس کے لیے بھی دعا کر سکیں اور صدقہ اپنی جگہ رہے گا کیونکہ فقیر سے دعا کی لالچ بھی مناسب نہیں کیونکہ دعا تو اس لیے ہوتی ہے کہ دینے والے نے احسان کیا جبکہ حقیقت میں محسن ہوا فقیر کہ اُس نے اس کی خدمت کو قبول کیا۔

ساتویں بات یہ ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں وہ چیز دے جو اچھا، بہتر اور حلال ہو کیونکہ جو مال مشتبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اللہ خود پاک ہے اور وہ پاک ہی چیزوں کو قبول کرتا ہے۔

جو شخص اپنے گھر کی چیزوں سے بدتر چیز مہمان کے سامنے رکھے وہ مہمان کی حقارت کا باعث بنتا ہے، تو پھر یہ کیسے صحیح ہوگا کہ بدتر چیز اللہ کی راہ میں دے اور اچھی چیزیں اپنے لیے رکھ چھوڑے۔ بُری چیز دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ دینے والا کراہت سے دیتا ہے حالانکہ صدقہ خوش دلی سے دینا چاہیے اور خوش دلی سے نہ دیا جائے تو اس کے قبول نہ ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک درہم ہزار درہم پر سبقت لے جائے اس سے مراد وہی درہم ہے جو خوش دلی سے ادا کیا جائے۔

فقراء کی تلاش:

اگرچہ ہر مسلمان فقیر کو زکوٰۃ دینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن جو شخص آخرت کی تجارت کرتا ہے اسے محنت سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے اور جب صحیح جگہ پر خرچ ہوگئی تو اس کا ثواب بھی دوگنا ہوگا۔ اس لیے زکوٰۃ دینے والے کو چاہیے کہ ایسا آدمی تلاش کرے جس میں ان پانچ صفات میں سے کوئی ایک صفت پائی جاتی ہو۔

پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ متقی پرہیز گار ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں معین و مددگار بنتے ہیں اور اسی طرح دینے والا اس ثواب میں شریک ہو جاتا ہے کیونکہ دینے والا اس عابد کی عبادت میں مددگار ہوتا ہے۔ ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک امیر ہمیشہ صوفیاء ہی کو صدقہ دیا کرتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کا قصد و ارادہ نہیں کرتے۔ اگر اُن کی ضرورت و احتیاج ہوتی ہے تو اُن کا دھیان بٹ جاتا ہے اور میں ایسے ایک صاحب دل کو بارگاہ قُدس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بن جاؤں تو ایسے دلوں کے ساتھ رعایت برتنا بہتر ہے۔ یہ صورت جب خواجہ جنید قدسرہٗ کے سامنے آئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہے۔ یہ شخص سبزی بیچتا تھا حتیٰ کہ مفلس ہو گیا کیونکہ فقراء اس سے مال لیتے اور رقم نہ ادا کرتے۔ پھر حضرت خواجہ جنید

قدسرہٗ نے دکان کے لیے اسے کچھ سرمایہ دیا اور فرمایا تیرے جیسے آدمی کو تجارت میں کبھی نقصان نہ ہوگا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا طالب علم ہو کیونکہ اسے زکوٰۃ دیں گے تو یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کرے گا اور دینے والا اس کے ثواب میں شریک ہوگا۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ایسا شخص ہو جو اپنے فقر و احتیاج کو چھپائے رکھے اور زندگی شان و شوکت سے بسر کرتا ہو۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص کو صبر و تحمل اور شوکت سے چھپایا ہوا ہے تو ایسے لوگوں کو چھوڑ کر پیشہ ور بھکاری کو نہ دے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ شخص عیال دار یا بیمار ہو، اس واسطے کہ جو جتنا زیادہ حاجت مند ہوگا اس کی خدمت سے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اہل قرابت میں سے ہو کیونکہ اس کو دینا دوگنا ثواب کا باعث ہے۔ خیرات کی ادائیگی اور حق قرابت کا لحاظ، جو شخص اللہ کی محبت کی وجہ سے کسی سے تعلق رکھے تو وہ بھی قرابت داروں کے مرتبہ میں ہے۔ جس شخص میں یہ تمام صفات یا اکثر پائی جائیں تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ جب ایسے لوگوں کو مال دے گا تو ان کی دعا اور ہمت دینے والے کے حق میں حصار ہوگی۔ یہ نفع اس نفع کے علاوہ ہے کہ اپنے دل سے بخل کو دور کیا' نعمت خداوندی کا شکر بجا لایا۔ زکوٰۃ دینے والے کو چاہیے کہ سادات کو زکوٰۃ نہ دے کیونکہ وہ لوگوں کے مال کا میل ہے اور کافروں کو بھی نہ دے کیونکہ یہ مال کافروں کو دینا افسوس ناک ہے کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے آداب:

اس کو پانچ چیزوں کی رعایت کرنی ضروری اور لازمی ہے۔ ایک تو یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو محتاج پیدا کیا ہے اور بعض بندوں کو کثرت سے مال عنایت کیا تو اُس نے جس پر بہت مہربانی فرمائی اُسے دنیا اور اس کے بکھیڑوں سے محفوظ رکھا۔ اور دنیا کے حاصل کرنے کا بوجھ اور مال کی نگہبانی کا رنج اور وبال امراء پر ڈال دیا کہ ہمارے معزز وممتاز بندوں کی بقدر ضرورت خدمت پوری کریں تا کہ وہ لوگ دنیا کے بوجھ سے نجات پا کر دلجمعی سے عبادت کریں۔ اور جب حاجت و ضرورت کے سبب پراگندہ خاطر ہوں تو امراء کے ہاتھ سے بقدر ضرورت انہیں پہنچ جایا کرے تا کہ ان کی دعا امراء کے اعمال کا کفارہ ہو جائے۔ تو فقراء جو کچھ لیتے ہیں انہیں اس نقطہ نظر سے لینا چاہیے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کروں تا کہ ذوقِ عبادت میں فراغت ویکسوئی نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر معلوم ہو کہ امراء اس کے بیگاری ہیں تا کہ ذوقِ عبادت پورا ہو سکے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ دنیا کے بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کے متعلق خواہش رکھتے ہیں کہ ہماری غلامی اور خدمت سے غیر حاضر نہ ہوں۔ اس قسم کے لوگوں کو دنیا کمانے کے لیے رخصت نہیں دیتے اور جو دہقان اور بازاری لوگ ہوتے ہیں، جو خدمت کے لائق نہیں ہوتے وہ ان مخصوص افراد کے لیے خدمت و بیگاری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، اور ان سے محصول اور خراج لیکر مخصوص افراد کا یومیہ مقرر کرتے ہیں۔ تو جس طرح بادشاہ مخصوص افراد سے خدمت لیتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی بندگی کرے۔

تو فقراء کو چاہیے کہ اس نیت سے لیں کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دینے والا لینے والے پر فضیلت نہیں رکھتا بشرطیکہ جو کچھ لے اس نیت سے لے کہ عبادت میں فراغت نصیب ہو۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ لیتا ہے یہ سمجھے کہ حق تعالیٰ سے لے رہا ہے اور امرأ کو اللہ کے حکم کا مسخر سمجھے اور جانے اس واسطے کہ ایک موکل کو اس کے ساتھ لازم کر دیا ہے وہ اسے دے اور اس کا موکل ایمان ہے۔ اس سبب سے کہ اس کی نجات اور سعادت صدقہ وخیرات سے وابستہ ہے۔ اگر یہ موکل نہ ہوتا تو امرأ ایک حبہ بھی کسی کو نہ دیتے۔ تو حقیقت میں فقراء پر اس کا احسان ہے جس نے امرأ کے ساتھ ایک موکل لگا دیا۔ تو جب لینے والا یہ سمجھے گا کہ امیر کا ہاتھ تو محض واسطہ ہے تو اس واسطہ کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ان کے کاموں کا خالق ہے مگر یہ بندہ نوازی ہے کہ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان کا شکر بجالاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے واسطہ خیر بناتا ہے اسے معزز بنا دیتا ہے۔

تو جن کو اللہ تعالیٰ نے معزز و مکرم کیا اُن کی قدر پہچاننا ضروری ہے، اور یہی معنی ہیں شکر کے! اور فقراء کو چاہیے کہ دینے والے کے حق میں دعا کریں۔

اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے اچھا بدلہ دو، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کے حق میں اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دے کہ اُس کی بھلائی کا بدلہ اُسے مل گیا۔ اور جس طرح دینے والے کے لیے یہ بات لازم ہے کہ جو دے اسے حقیر جانے اگر چہ وہ کتنا ہی ہو، اسی طرح لینے والے پر لازم ہے کہ صدقہ کا عیب پوشیدہ رکھے اور تھوڑی چیز کو تھوڑا نہ جانے اور حقیر نہ سمجھے۔ تیسرے یہ کہ جو مال حلال نہ ہو وہ قبول نہ کرے۔ ظالم اور سود خوار سے کوئی چیز قبول نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ جتنی احتیاج ہو اتنا ہی لے۔ اگر سفر کی ضرورت سے لے تو کرایہ کی مقدار سے زیادہ نہ لے، اگر ادائے قرض کے لیے لیتا ہے تو اسی مقدار میں لے۔ اگر اہل وعیال کی کفالت کے لیے دس درہم کافی ہوں تو گیارھواں نہ لے کیونکہ وہ ایک درہم جو ضرورت سے زیادہ ہے اس کا لینا حرام ہے اور اگر گھر میں کوئی اسباب یا کپڑا ضرورت سے زیادہ موجود ہو تو پھر زکوٰۃ لینی مناسب نہیں۔

فضائل:

جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ صدقہ ضرور دو اگر چہ آدھی کھجور ہو، اگر یہ بھی ممکن نہیں تو محبت بھری گفتگو ہی سہی! کہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ اور فرمایا کہ جو مسلمان اپنے حلال مال سے صدقہ ادا کرتا ہے اس کی اللہ تعالیٰ اپنے دست شفقت و رحمت سے اس طرح تربیت فرماتے ہیں جیسے تم اپنے چار پایوں کی پرورش کرتے ہو۔ یہاں تک کہ چند دانے کھجور کو وہ اُحد کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا، یہاں تک کہ مخلوق کے حساب کا حکم ہو۔ مزید ارشاد نبویؐ ہے کہ شر کے ستر دروازے صدقہ کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ؟ تو آپؐ نے فرمایا جو تندرستی کی حالت میں دیا جائے، جب زندگی کی امید اور افلاس کا ڈر نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی منتظر رہے، یہاں تک کہ جب حلقوم میں جان آ جائے تو پھر مختلف لوگوں کے لیے مختلف چیزوں کی وصیت کرنے لگے کیونکہ اب یہ کہے یا نہ کہے وہ چیز فلاں فلاں کو مل ہی جائے گی۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ جس شخص کے دروازے سے سائل محروم چلا جائے اُس کے گھر میں سات دن تک رحمت کے فرشتے نظر نہیں آتے۔ جناب رسول اللہؐ دو کام ہر حال میں اپنے ہی ہاتھ سے کرتے تھے، فقیر کو صدقہ اپنے ہاتھ سے دیتے اور رات کے وضو کیلئے پانی کا اہتمام خود فرماتے۔ اور فرمایا جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا دینے والے کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں گے۔ حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہؓ نے پچاس ہزار درہم صدقہ کے طور پر دیدیئے جبکہ ان کے پیرہن میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اپنے لیے پیراہن تک نہ سلوایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ستر برس تک عبادت کی، اُس سے ایک اتنا بڑا گناہ سرزد ہوا کہ وہ سب عبادت رائیگاں چلی گئی، یہاں تک کہ وہ ایک فقیر کے پاس سے گزرا اور اسے ایک روٹی بطور صدقہ دے دی تو رب العزت نے اس کے گناہ معاف فرما کر سابقہ عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لوٹا دیا۔ لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ دو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صدقہ کے طور پر شکر بہت دیتے اور فرماتے:

چونکہ مجھے شکر بہت محبوب ہے اس لیے میں اس کا صدقہ دیتا ہوں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے والا اپنے آپ کو فقیر کی ضرورت کے مقابلہ میں ثواب کا جب تک زیادہ محتاج نہ سمجھے اُس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

❁❁❁

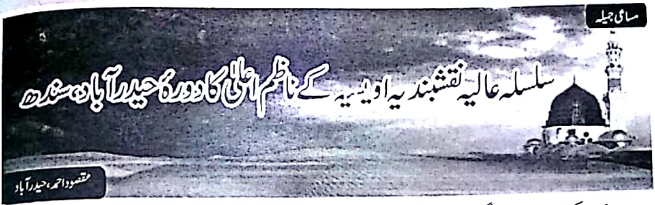

مساعی جمیلہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے ناظم اعلیٰ کا دورۂ حیدرآباد، سندھ

مقصود احمد، حیدرآباد

خرید سکتے تو اسے اپنی زندگی بیچ کر خرید لیتے فرازؔ
مگر کچھ لوگ قیمت سے نہیں قسمت سے ملا کرتے ہیں

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، 12 فروری 2016ء بروز جمعہ، حیدرآباد سندھ کے دورہ پر تشریف لائے۔

حیدرآباد، سندھ کراچی سے 126 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع پاکستان کا چھٹا بڑا شہر اور صوبہ سندھ کا ایک ڈویژن ہے۔ ضلع حیدرآباد تین تحصیل پر مشتمل ہے۔ حیدرآباد سٹی، قاسم آباد، لطیف آباد۔ اس شہر کو محمد بن قاسم نے دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں فتح کیا تھا۔ لیکن موجودہ شہر حیدرآباد کی بنیاد ایک ٹیلہ پر رکھی گئی ہے۔ اسی شہر کو باب الاسلام بھی کہا گیا ہے کیونکہ محمد بن قاسمؒ نے بنبھور کو فتح کیا اور اس کے بعد دریائے سندھ کو عبور کر کے حیدرآباد کو فتح کیا۔

05، فروری 2016ء بروز جمعہ بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کے دورۂ سندھ سے متعلق ایک میٹنگ میں کراچی سے سکیورٹی کے احباب بھی تشریف لائے جن کو بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کی حیدرآباد میں مصروفیات سے متعلق بریف کیا گیا۔ ان کو تمام راستوں سے آگاہی دی گئی اور قلعہ کی جامعہ مسجد جہاں آپ نے خطاب کرنا تھا دکھا دی گئی۔ سکیورٹی کے احباب کے علاوہ مرد حضرات کو استقبال کا کام سپرد کیا گیا۔

12 فروری 2016ء کو 9 بجے صبح امیر جماعت کے گھر پر تمام احباب جمع ہوئے اور دعا کے بعد قاسم چوک، حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے۔ موٹر سائیکل سواروں کا ایک کارواں شہر سے تقریباً تین کلومیٹر دور صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب کے عظیم الشان استقبال کے لئے تیار تھا۔ وقت مقررہ پر بھائی جان تشریف لے آئے۔ یہ کارواں پاکستان کے سبز ہلالی پرچموں کے چھاؤں میں روانہ ہوا۔ Pilot JEEP پر مہر نبوت ﷺ کا پرچم نصب تھا۔ یہ pilot jeep شہر کے راستوں، چوکوں چوباروں اور بازاروں میں راہنمائی کرتے ہوئے اپنے محبوب قائد کو امیر جماعت صاحب کے گھر پر لے آئی۔ بھائی جان کے قدم زمین پر رکھتے ہی اہلیانِ محلہ نے گل پاشی کی۔ اور بزرگوں نے ان سے مصافحہ کیا۔ بزرگوں اور نوجوانوں نے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج اور ''رب کی دھرتی رب کا نظام الاخوان الاخوان'' کے پرجوش نعروں سے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کا استقبال کیا۔ اس جنون میں گھر کے اندر خواتین جو برقعوں میں ملبوس تھیں انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنے محبوب قائد کا استقبال کیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سامنے دو قد آور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ المکرم حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی تصاویر آویزاں تھیں۔ اندر پہنچ کر بھائی جان اپنی مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ چائے کے بعد آئے ہوئے مہمانان گرامی، سول سوسائٹی، اعلیٰ گورنمنٹ ملازمین نے مصافحہ کیا۔ پھر بھائی جان نے مرد حضرات کو ذکر کروایا۔ ابھی جمعۃ المبارک میں کچھ وقت تھا۔ چند ایک ساتھیوں نے اپنے مسائل بیان کئے۔ پھر یہ قافلہ جامع اکبری مسجد، پیر امام الدین نقشبندی پکا قلعہ

کی طرف رواں دواں ہوگیا۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان نے اپنے مخصوص انداز میں مختصر خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا حضور ﷺ منبع کمالات کُل تھے۔ نبی علیہا صلوٰۃ والسلام تمام صفات کے جامع تھے۔ جو وصال کے بعد مختلف افراد میں تقسیم ہوئیں۔ جن لوگوں نے تعلیماتِ نبوّت ﷺ پر عمل کیا اُنہوں نے اس دنیا میں بے انتہا ترقی کی۔ جاپان نے سودی کاروبار چھوڑ دیا۔ کیا وہ مسلمان ہوگیا؟ ہرگز نہیں! لیکن اس کی معیشت کہاں پہنچ گئی! ایک شعبہ یعنی برکاتِ نبوّت ﷺ ان لوگوں نے حاصل کیا۔ جنہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے علوم ظاہری کے ساتھ کیفیات قلبی بھی حاصل کیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات سے ان کے قلوب میں وہ تبدیلیاں آئیں کہ ان کا تزکیہ ہوگیا۔ اللہ کا نبی اور رسول حضور اقدس ﷺ نور کا وہ مینار ہے جن سے باقی نبی اور رسول بھی روشنی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب تک دل کی دنیا صاف نہ ہو آپؐ سے بھی استفادہ نہیں ہوسکتا۔ امراضِ قلب کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کے امراض خواہشات نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں۔ دلوں کو صاف کرنے کے فن یعنی قلوب کے تزکیہ کو اصطلاح میں تصوّف کہتے ہیں۔ تزکیہ کے لیے اللہ کا ذکر ضروری ہے۔ یہی اللہ کا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی ہے۔

نماز سے فارغ ہو کر یہ کارواں امیر جماعت صاحب کے گھر آیا۔ کھانے کا انتظام تھا۔ پہلے مرد حضرات نے کھانا کھایا، پھر خواتین کو موقع دیا گیا۔ پھر کافی خواتین نے اپنے مسائل بھائی جان کو بتائے اور نقش توجہ اور دعا کی درخواست کی۔ بھائی جان نے خواتین کو کچھ دیر ذکر سمجھایا اور فرمایا نقش ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ محمد خان صاحب نے مردوں کو ذکر سمجھایا، اس کے فائدے بتائے، اور اپنی صحبت سے ان کو مستفید کیا۔ دورہ کے اختتام پر پر صاحب مجاز جناب مقصود احمد صاحب نے جرأت اخبار میں پریس ریلیز دی۔ فوٹو سیشن ہوا اور ساتھیوں نے اپنے محبوب قائد عبدالقدیر اعوان صاحب کو دکھی دل سے الوداع کہا۔ کارواں نے جلوس کی صورت میں جا کر قاسم چوک کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور اللہ حافظ کہا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تُو نے ہمیں خرید کر انمول کر دیا

❁❁❁

تربوز، بقیہ صفحہ نمبر 51 سے آگے

3۔ تربوز جوڑوں کے درد کے لیے مفید نہیں ہے۔

4۔ اگر پسلی کا درد ہو تو اس کے لیے بھی مفید نہیں ہے۔

5۔ تربوز کو اس وقت کھائیں جب پیٹ نہ زیادہ بھرا ہوا اور نہ ہی خالی ہو۔ تربوز کھاتے ہوئے اس چیز کو مدنظر رکھیں کہ آپ باہر گرمی سے تو نہیں آئے، یا تربوز گرم تو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تھوڑا سا ایزی ہو کر کھائیں اور تربوز کو ٹھنڈا کر کے استعمال کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

کہ نبی کریم ﷺ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔

اور فرمایا کرتے تھے: ہم کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک اور تربوز کی ٹھنڈک کو کھجور کی گرمی سے توڑتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 3836)

طب

تربوز

(Water Melon)

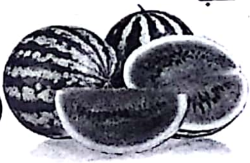

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

تربوز اللہ کریم کی دی ہوئی بہت سی ایسی نعمتوں میں سے ایک ہے جو کہ امیر و غریب کی دسترس میں ہے۔ اگر مناسب طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے تو اس کے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ موسم گرما اور موسم برسات میں پایا جانے والا یہ پھل زیادہ تر ریگستان اور گرم علاقوں میں کاشت کیا جاتا ہے۔ پاکستان ،ہندوستان اور بنگلہ دیش میں زیادہ کاشت کی جاتی ہے۔

افعال وخواص: تربوز پیاس کو بجھاتا ہے، جسم میں گرمی کو ختم کرتا ہے۔ پاخانہ کھل کر لاتا ہے یعنی قبض کو ختم کرتا ہے۔ رُک رُک کر پیشاب آنے یا پیشاب کی کمی کو ختم کرتا ہے۔ مزاج میں سودایت بڑھ جائے تو اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اگر گرمی کی وجہ سے بخار ہو جائے تو اس کے استعمال سے بخار اتر جاتا ہے۔ اس کو پانی میں چینی یا سکنجبین کے ساتھ ملا کر استعمال کریں تو پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ معدے کی گرمی ختم ہو جاتی ہے اور بدن کی غیر طبعی حرارت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر تھوک کے ساتھ خون آتا ہو تو اس کے استعمال سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مثانہ اور گردوں کی پتھری کو توڑ کر خارج کرتا ہے۔ اگر خشکی کی وجہ سے سانس تنگ آ رہا ہو تو اس کے استعمال سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس کا پانی سنڈھ اور شہد کے ساتھ استعمال کرنے سے بلغم ختم کرتا ہے۔ یہ خون پیدا کرتا ہے جس سے جسم میں پائی جانے والی خون کی کمی دور ہو جاتی ہے۔ خارش کے لیے بھی مفید ہے۔

خفقان:

تربوز کا پانی 250 گرام برابر ادرک کے اور 25 گرام چینی ملا کر ایک بوتل میں بھر کر رات باہر رکھیں، صبح کو پلائیں۔ اس کے روزانہ استعمال سے وساوس اور خفقان ختم ہو جائے گا۔

دل کی دھڑکن:

تربوز کو ململ کے کپڑے سے چھان کر پانی حاصل کریں اور اس میں قدرے مصری ملا کر پلائیں۔ دردسر اور دل کی دھڑکن کے لیے مفید ہے۔

پتھری گردہ مثانہ:

مغز تربوزہ 12 گرام کو 1/2 کلو پانی میں گھوٹ کر چینی ملا کر پلائیں، پتھری گردہ و مثانہ کے لیے مفید ہے۔ اس سے دماغی گرمی بھی دور ہو جاتی ہے۔ تربوز کھانے کے بعد فوراً پانی استعمال نہ کریں۔

تربوز کے مضر اثرات:۔

1۔ جس روز چاول کھائیں اس دن تربوز بالکل استعمال نہ کریں۔

2۔ تربوز بلغم پیدا کرتا ہے اور بوڑھے آدمی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 50 پر ملاحظہ فرمائیں)

knowledge Allah has given me, I can gather that it's not only the paths that are lit up but also are the stretched out deserts and the skies. Each particle of the air is glowing with 'Noor'. I remember asking my Sheikh Rehmatullah Alaih, some thirty years ago, it makes sense that the ground the Prophet walked upon would be glowing with 'Noor' but why the skies? He replied, These are the blessings (barkaats) emanating from Rasoolullah's eyes. Where ever His eyes travelled, they lit that place up. Imagine a being, whose single glance can leave such a mark on the environment, and even then he is being told to do Zikr Allah. It can thus be gathered that whoever chooses to follow the Prophet then he has no choice but to practice 'Zikr-e-Dawam' (the method of continuous and everlasting Zikr). If the President of a country is not above a certain law, then surely it is incumbent on the masses to follow it, also.

It is improper to presume that the Pir (religious/spiritual leader) performs the remembrance of Allah (SWT) only and the followers may buy their way into the Heaven by presenting the Pir, with gifts. Neither can a Pir give you anything from his share nor can you receive from him. One shall reap only what one sows. You go to a doctor and get the medicines prescribed but then do you expect to be cured of the disease, by asking the doctor to take the medicines himself. Why then in matters of religion, we apply this rule, that we'll pay the Pir a certain sum and, in lieu, he'll practice religion, on our behalf. Heaven is not attained through trading nor can it be bought with money, it's a matter of the heart.

Pir(spiritual leader) is one who has the capability to pass on the Blessings of Prophet Muhammad . , to the one who comes seeking for these Blessings; all others are just myths and tales made up to romanticize spiritualism. Next to Allah (SWT) they hold no meaning. Two kinds of religious leaders exist, to further the cause of Prophet . One, are the religious scholars, the true ones, who guide the people to the Quran, word of Allah (SWT), and the Sunnah, the Rasoolullah's way. They have their own, honorable standing. The other, are the spiritual teachers, who are responsible for passing on the Blessings and inner feelings of faith. They have a higher standing because they deal in much more precious things. They furnish people with the believing hearts. One should stay in the company of such people, who relay to us, the words of Allah (SWT) and His Messenger (SAWS), who practice it themselves and encourage us, to do so. Such a teacher will be the right choice for the true seeker. It would indeed be a Blessing of Allah (SWT) to find such a person, who cures the ailments of the heart. It is indeed a unique favor of Allah (SWT), for some have spent their whole lives, looking for a person who can deliver these precious goods to them.

Once we were going with Hazrat ji (Rahmat ullah alae) to a village beyond, Gujrat. On the way, we passed by a grave and Hazrat ji (Rahmat ullah alae) asked us to slow down the car. For a few moments, he went into 'Muraqabah'. I couldn't contain my curiosity and later inquired about the slowing down of the car, meditating at the moment, and going into Muraqabah. He smiled and replied that the grave was of a person, who had looked for a spiritual teacher all his life; a person who could equip him with a yearning heart. Therefore, Hazrat ji (Rehmat Ullah Alae) took it as a sign from Allah (SWT) to help him, and thus made him do the Lataif and, then, Muraqabah-e-Salasaa.

To be Continued...

Zikr Allah? If animals which are not answerable for their actions, are considered nullified when their life's last breath does not expire in the name of Allah (SWT), then what answer do we have, for every breath of ours that goes without Zikr Allah? It is because of this very reason why the Sufis, have a saying, which goes 'A moment which is spent inattentive (towards Allah (SWT), is a moment deemed lost' meaning all such moments are considered to have been spent, in negligence, in ungratefulness.

کُرِ *Remember your Lord.* It needs consideration here that by which of our Lord's name, should we remember Him? Allah (SWT) has ninety nine names like *Al-Rahman, Al-Raheem, Maalik e Yaom udeen*(Lord of the day of judgment). *Al-Qa-haar, Al-Sattaar*, to mention a few. Elucidation given by the Quran is the best one, and where the Quran does not give the clarification, the explanation is done by the Prophet . There is no room for any other person to come up with his own interpretation. Gleaning gems from within the explanation done by the Prophet and doing commentary of the Quran, is possible as long as they stay within the realm of the explanation (set by Prophet)); transgressors of which have been warned of serious consequences. The Prophet says, *He who tells lies about me, let him take his place in Hell (Al-bukhari 1229).*

The readers and listeners of the Commentary of Quran think that it is Prophet's word that is being relayed to them; when that is not true then it is tantamount to lying against the Prophet and if lying against Prophet lands one in Hell then what of the person who lies directly against Allah (SWT)?

Coming back to the matter that by which name should one remember Allah (SWT). It has been clarified by Quran itself in Surah Muzammil, where Prophet is directly being addressed قُم *Awaken in nights.* It could mean half the night or even more than that and to read the Quran with perfect elocution and fervor. Then, Allah (SWT) says, نِصۡفَهٗ نْقُصْ ۚ قَلِيْ لًا He is the Creator of human beings and also the Creator of their needs, desires and wishes. He (SWT), is aware that it is difficult for them to be awaken at nights; but it will end up as being gratifying for them. There is a certain pleasure in invoking one's Lord, when mankind is slumbering away in ignorance. Confiding in your Lord in the wee hours of the night has its own sweet pleasure and worth. Next question that comes to one's mind is what to say to Allah (SWT), in those wee hours? کُرِ سْمَ Start a litany (zikr) of Allah's name. How long should one do it? تَبَتَّلْ تَبْتِيْلًا till all thoughts and feelings leave one's mind and those of Allah (SWT), only, prevail; meaning thereby to be cut off from all the things, and to be focused on Allah's Zikr, only. The condition of تَبَتَّلْ تَبْتِيْلًا is set, which means to be disengaged, so fully, in rapt of something that one is unaware of everything else. So, one has to remember Allah (SWT), in such a way that nothing remains in one's thoughts, mind and consciousness except, Allah (SWT). The repetition of Allah's name is to be done in such a way that Allah (SWT) overwhelms everything, until it is the beating of your heart and Allah (SWT), alone This is what, Allah (SWT) is saying to His Prophet in the Quran.

Prophets' blessings are such that whatever came into contact with them naturally became Zaakir, be it their shoes, clothes or the path they treaded on. If the streets of Makkah and Madinah were to be viewed by eyes of the heart, the places where the Prophet walked upon would be lit up more than the stars in the sky! Of what

Remembrance of the Heart

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Continued...:

Urdu Bayan Salana Ijtimah

Just like in Salah , a sound should not be heard while doing Zikr Allah, also. The next question arises, how much of the Zikr Allah should be done? Where ever in the Quran, لغدُ is mentioned its meaning is taken as 'Day and night' Here, it is implied that Zikr Allah should be performed 'round the clock'. Right after this, a strict directive is being given, لغٰفلین and don't become heedless towards it. So it is strictly being reminded not to be negligent of Zikr Allah, even for a moment. Negligence could be of a moment or it may last for the whole lifetime.

There are many ways of doing Zikr Allah but Alhamdulillah, the one which has been taught to us by the Spiritual teachers of our Sufi Order (may Allah shower many blessings upon them), seems to be the best fit, given the parameters set forth, in this Ayah. One could try some other way, but no other way of doing Zikr Allah comes to the mind, which is as per the needed requirements. It is often asked, 'Where is it mentioned in the Quran regarding this method of doing Zikr Allah?' The answer is in the fore mentioned Ayah of Surah Al-Aaraaf. Do remembrance of your Lord, do it within your heart, in silence. Do it round the clock, with every breath. Do it with feelings of utmost humility along with reverence for Allah (SWT). Don't be negligent towards it. The name of Allah (SWT) will not become a part of your heart unless it's done in this silent way, and with due diligence. Those who do Zikr Allah loudly, ذکر جہر , they should contemplate over the limitations of that way; a person cannot perform Zikr Allah, with the tongue, while talking, eating, sleeping or when one falls unconscious. Zikr Allah of the heart, however is, that once it has been mastered by the heart, it becomes a continuous process, the heart, on its own, carries on remembering Allah (SWT) with every heart beat, whether one is awake or asleep, conscious or unconscious, even in the case of sudden fatality, one's heart is remembering Allah (SWT), to his last breath.

In the autobiography, Mehar-e-Muneer of Pir Mehr Ali Shah of Golra Shareef, I came across, an instance, where someone asks him in a gathering at his court, 'If at the time of sacrificing an animal someone fails to say Takbeer, as he was otherwise occupied by someone's entrance, who wanted to talk on an important matter, would the animal still be considered Halal?' He answered that it would not be Halal. If the person had stopped, even once, during his conversation and had said the Takbeer, the animal would have been considered, Halal. The person left after the query but Pir Mehr Ali Shah continued to address his gathering; he said that an animal, which has been made lawful by Allah (SWT) to eat, is not sacrificed properly, its last breath does not expire with the name of Allah (SWT), is not considered Halal, then what about the breaths that we take every moment and which go without

Sheikh Abdul Qadir Jilani. A disciple of this great saint narrates that one night the saint set out quietly, followed by him. The doors of the city opened and closed automatically as they passed by, till they reached the place where a dead body was lying. A man was brought whom the Sheikh converted to Islam and said, This man will take the place of the dead. They returned. The following day, he inquired about the mysterious affair and the Sheikh explained: We had gone to Nehao where the seventh Abdal had passed away. The man converted to Islam and appointed in his place was a Christian from Constantinople.

This incident has been listed by Allama Sayuti in al-Hawi lil Fatawa and al-Juz ad-Dal, and by Maulana Thanvi in his al-Ibqa. The point to note is that a man (by the Grace of ALLAH and the beneficence of an accomplished Sheikh) embraces Islam and makes progress in the Path to such an extent that he becomes an Abdal overnight.

©. Another incident is narrated in Fawaid al-Fawad (p: 71-72):

Then the conversation turned towards Sheikh Baha ud-Din Zakariah, who was said to have attained as much in only 17 days as others could not do in years. This caused some heartburn among the old timers who complained that an outsider from India had been so richly rewarded in such a short time, while they had been in the service of the Sheikh for years together. When the word reached the Sheikh, he told them. You are like wet logs which take time in catching fire, while Zakariah was like a dry twig, which ignited with a single blowing.

Note that the earnest seeker who had the necessary capacity, consummated inseventeen days by the beneficence of an accomplished Sheikh.

(d) Maulana Gangohi in Imdad as-Suluk (p:31):

Under all the prescribed conditions, if a true seeker adheres to the Prophet's (SAWS) Sunnah for a continuous period of 40 days, he will, ALLAH willing, be blessed with intrinsic manifestations. To begin with, he shall see spiritual lights and stars, then angels, followed by Divine Attributes and through them some of the subtle truths; all this being the outcome of zikr.

(e)Maulana Ahmad Ali Lahori enunciates in Majlis-e Zikr (Part X):

O young man! Do concede to the Prophet's (SAWS). saying that a grave is either a garden of Paradise or a ditch of Hell; or come to me with expenses for fourteen years. O young man! You lived on your father for that long to earn a B.A. degree, try it here also and mark that I am not prepared to feed you on alms. I shall first see if the intrinsic light in you has not gone off as per Qur-anic pronouncement: As for the disbelievers, whether you warn them or warn them not. It is all one for them; they will believe not. (2: 6). As a result, if you are not mutated, I shall take you to an accomplished Sheikh and request him that this young man is inwardly blind and may be brought round. After you are spiritually enlightened and declared competent by the said Sheikh, go over to Miani Sahib (the largest graveyard in Lahore) and look into a couple of graves. You shall know for yourself the truth of the Prophet's-S.A.W. statement.

(f) All this clearly indicated that the sufis had been prescribing different periods for acquisition of intrinsic manifestations and due to variance in the degree of earnestness, capacity and perfection of the Sheikh, the period varied from a moment to a day, 17 days, 40 days, and 14 years.

To be Continued...

no consequence in comparison to the second, which in turn, pales into insignificance when matched against the third. The learned externalists lack the third faculty, which has been inherited from the Prophet(SAWS) by true erudites and learned sûfis.

My dear friend! This invaluable wealth cannot be attained by setting up sûfi institutions, publishing journals, or by mere study of dry-as-dust books on the subject. It is a matter of 'ilqa' (pouring Devine lights into the Qalb) and 'In'ekas' (Refelection), which only an accomplished Sheikh can dispensate to sincere seekers in his company.

Who is an Accomplished Sheikh?

Such a Sheikh must possess the following characteristics:

1. Must be a Divine academic, because the discipleship of an ignorant person is prohibited ab initio;
2. Must possess sound beliefs, because wayward beliefs and Tasawuf are diametrically opposed to each other;
3. Must be an adherent to the Prophet's-S(SAWS) Sunnah which is the gateway and the fountainhead of all excellence;
4. Must shun heresy and polytheism. The former is an error manifest, while the latter is a tremendous wrong;
5. Must not be Mammon- worshipper because two loves cannot be combined:

And obey not him whose heart We have made heedless of Our remembrance who follows his own lust. (18:28)

6. Must be an accomplished sûfi or else he will not be a perfect guide to the Path;
7. Must be acquainted with the method of inner growth of his disciples and should have himself received instruction from an expert; and
8. Must be capable of initiating spiritual bonds with the Prophet(SAWS). who is the sole link between ALLAH and His bondsmen.

Essay-1

Justification of the Six Month Proclamation of Hadhrat Allah Yar Khan-R.A.

The learned author had prescribed a period of six months to enable the spirit to fly and to witness its flight. Beside the important condition of earnest seeking, the end result has been clearly entrusted to the Will of ALLAH, as the wording 'ALLAH willing' in the text indicates. There is nothing unusual about it. Every experienced teacher and expert can put forward such an appraisal, on the basis of his experience and expertise. It must be remembered that the principle of acquiring conventional knowledge and skills by different people in varying length of time, according to their determination and capacity, equally applies to the seekers of the sûfi path. For sure, we have seen disciples of the author attaining, by ALLAH'S Grace, the power of levitation and observation within a week or so; that is the Bounty of ALLAH, which He gives to whom He wills; and there is nothing new or extraordinary about it.

within a week or so; that is the Bounty of ALLAH, which He gives to whom He wills; and there is nothing new or extraordinary about it.

(a) Maulana Ashraf Ali Thanvi writes in al-Ibqa (a journal published by Maktab-e Thanvi Karachi, comprising sermons of the Maulana delivered in his life time), that Maulana Ghulam Rasul Kanpuri was popularly known as 'Rasul Numa', (literally, the one who shows the Prophet(SAWS)), because it was his karamah that he could make every aspirant see the Prophet(SAWS). in full consciousness.

(b) Imam Yafai writes in his Keyafat al-M'ateqia with reference to Munaqib-e

An Objective Appraisal of The Sublime Path

Continued....

Translation of !Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

LATAIF AND THE ACCOMPLISHED SHEIKH

Cha pter-VII

Reason for Differences

Because of the utmost proximity of Lataif, Zikr-e Qalbi leads to an inducement of effects, lights, colours and functions into other Lataif as do the rays of the sun into the reflecting mirrors. The mirror facing the sun will be reflecting the sun's rays into all others placed opposite to it.

The theory of diversity is also supported by genuine kashf because as soon as the Lataif of a seeker are illuminated, he moves on to the stages of the Path, starting from the First Empyrean (Arsh) far beyond the seventh heaven. He can then see his Rûh in flight but not the other Lataif. Should a seeker not observe this, how could he know that he was actually traversing through the stages of the Path? A question may be asked as to how can the Rûh be seen in its flight and at such a great distance? The Answer does not lie in vain argumentation, but in 'getting down to brass tacks' in the company of, and under the guidance of an accomplished Sheikh.

Not to embellish, but by way of gratitude and remembrance of His Grace, I wish to place it on record that anyone with sincerity of purpose, and with no intention for ulterior motives, should come to me for only six months **[See Essay-1 for details]**. He will be put to certain restrictions, namely; a pure and wholesome diet at a reduced scale, reticence, less sleep, seclusion, preoccupation with zikr and meditation, and will be given Tawajjuh twice a day. If ALLAH willing, he shall see for himself, what the Rûh looks like during its flight. This period of six months is prescribed on the lines of the Prophet (SAWS), while the zikr will be conducted in accordance with ALLAH's Commandment:

...Remember your Rabb much, and praise Him in the early hours of the night and the morning. (3: 41)

And restriction on speech and need for seclusion is essential for the proper grooming of a seeker as enunciated in the verse:

You shall not speak to mankind for three days except by signs. (3: 41)

My dear reader! Sincerity of purpose is totally lacking. Not to speak of the Muslim masses, even the Ulama fail to appreciate the gravity of the situation and contend that it is enough to abide by the dictates of the Shari'ah. I reiterate that without inner purification, the Shari'ah cannot be purposefully followed. To recite La-Ilaha-il-lallah (there is no one worthy of worship and obedience, but ALLAH) does indeed amount to the negation of all outward gods, but the deities set within one's soul can never be gotten rid of without its purification.

The learned externalists can describe the permitted and the prohibited, but cannot differentiate one from the other as it depends upon inner enlightenment, which is extremely rare. ALLAH has, in His infinite mercy, blessed mankind with three distinct faculties for perception: imagination, intellect and inner illumination. The first is of

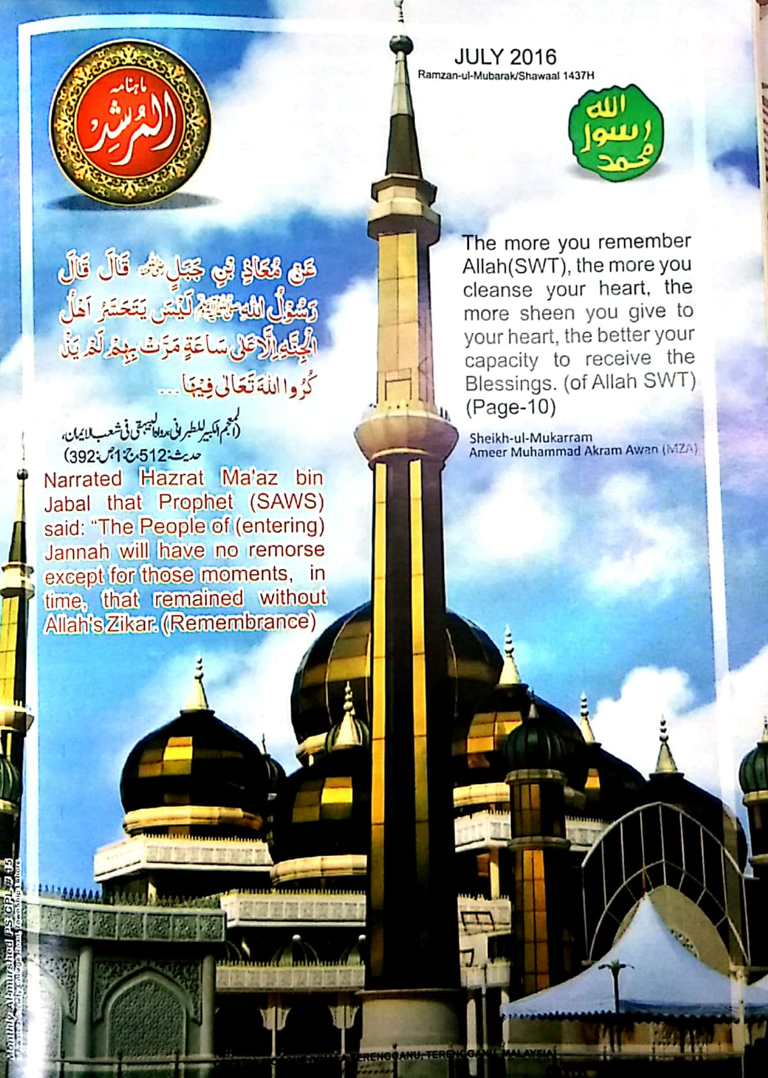

ماہنامہ المرشد

JULY 2016

Ramzan-ul-Mubarak/Shawaal 1437H

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ؓ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ
الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْ
كُرُوا اللهَ تَعَالٰى فِيْهَا ...

(المعجم الکبیر للطبرانی، رواہ البیہقی فی شعب الایمان،
حدیث:512،ج:1،ص:392)

Narrated Hazrat Ma'az bin Jabal that Prophet (SAWS) said: "The People of (entering) Jannah will have no remorse except for those moments, in time, that remained without Allah's Zikar. (Remembrance)

The more you remember Allah(SWT), the more you cleanse your heart, the more sheen you give to your heart, the better your capacity to receive the Blessings. (of Allah SWT) (Page-10)

Sheikh-ul-Mukarram
Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

TERENGGANU, TERENGGANU, MALAYSIA

Monthly Al-murshed PS:CPL # 15
College Road, Township Lahore

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255